تدبر
لاہور

جاری کردہ :

مولانا امین احسن اصلاحی

مدیر :

خالد مسعود

یکے از مطبوعات
ادارۂ تدبر قرآن و حدیث
لاہور۔ پاکستان

نئی اشاعت

تفسیر قرآن کے اصول

تالیف :- امام حمید الدین فراہیؒ
ترجمہ و ترتیب :- خالد مسعود

موضوعات

1- قرآن میں تدبر و تفکر کی اہمیت
2- قرآن مجید کی ترتیب
3- قرآن۔ ایک مربوط و منظم کتاب
4- اصول تفسیر کو مدون کرنے کی ضرورت
5- اصول تفسیر سے متعلق چند تمہیدی مباحث
6- تفسیر قرآن کے اصول
7- اصول تاویل

قیمت -/80 روپے

اصول فہم قرآن

مصنف :- مولانا امین احسن اصلاحی
ترتیب :- عبداللہ غلام احمد

موضوعات

- فہم قرآن کے لیے چند بنیادی اصول
  1- قرآن مجید کی دعوت عقل و فطرت پر مبنی ہے۔
  2- قرآن مجید کی ترتیب اتفاقی نہیں بلکہ توقیفی ہے۔
  3- قرآن حق و باطل کے امتیاز کے لیے کسوٹی ہے
  4- قرآن مجید قریش کی ٹکسالی عربی زبان میں نازل ہوا۔
  5- قرآن قطعی الدلالہ ہے۔
- نسخ اور اس کی حکمت
- حکمت قرآن کے فہم کے لیے اساس

قیمت -/34 روپے

اسباق النحو

مصنف :- خالد مسعود

- امام فراہیؒ کی کتاب پر مبنی نئی ترتیب کے ساتھ
- عربی زبان کے قواعد کی تعلیم کا جدید انداز
- اسم، فعل اور حرف کا ضروری تعارف
- ترجمہ کے لیے مشقیں

قیمت -/36 روپے

"میرے نزدیک یہ کتاب طلبہ فن کے لئے کافی ہے۔ اس سے عربی زبان عربی زبان سیکھنے کی راہ باز ہو جائے گی"۔ مولانا امین احسن اصلاحی

ملنے کا پتہ

1- ادارہ تدبر قرآن و حدیث۔ رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور۔
2- دار التذکیر۔ رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔

تدبّر لاہور

جاری کردہ
مولانا امین احسن اصلاحی
مدیر:
خالد مسعود

شمارہ 69
ستمبر 2000ء
جمادی الثانی 1421ھ

فہرست

تذکرہ و تبصرہ
تدبر حدیث کی اشاعت / خالد مسعود 2
تدبر حدیث
درس صحیح بخاری 3
امین احسن اصلاحی / سید اسحاق علی
درس موطا امام مالک امین احسن اصلاحی / سعید احمد 17
مقالات
مکہ اور مدینہ میں منافقین کا کردار / خالد مسعود 23
قیامت کے بارے میں اشکالات / محبوب سبحانی 36
مولانا امین احسن اصلاحی کا ادبی اسلوب / اختر حسین عزمی 43
تاثرات
مولانا اصلاحی کی تحریر کے ادبی محاسن / عبدالرحیم 52
تبصرہ کتب ادارہ 54

مجلس ادارت
عبداللہ غلام احمد
محبوب سبحانی
سعید احمد
سید اسحاق علی

قیمت 12.50 روپے
سالانہ 50.00 روپے
بیرون ملک 250.00 روپے
(ماسوائے برصغیر)

ناشر: ادارہ تدبر قرآن و حدیث رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور

خالد مسعود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"تدبر حدیث" کی اشاعت

ماضی میں رسالہ تدبر میں متعدد سلسلہ وار مضامین شائع ہوئے اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ ان میں سے کچھ مضامین کتابوں کی صورت میں چھپ چکے ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی کتابیں تزکیہ نفس حصہ دوم، فلسفے کے بنیادی مسائل اور مبادی تدبر حدیث، نیز مولانا فراہیؒ کی حکمت قرآن بالاقساط تدبر میں چھپنے کے بعد فاران فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام شائع ہو چکی ہیں۔ بعض دیگر سلسلہ وار مضامین اور مؤطا امام مالکؒ اور صحیح بخاریؒ کے دروس رسالے میں برابر دیے جا رہے ہیں۔ اب یہ تحریری مواد اتنی مقدار میں تیار ہو چکا ہے کہ مزید کتب شائع کی جا سکتی ہیں۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ ادارہ فاران فاؤنڈیشن پہلی طبع شدہ کتابوں کی فراہمی کو یقینی بنانے میں مشکل محسوس کر رہا ہے، اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ادارہ تدبر قرآن و حدیث بھی اس ذمہ داری میں شریک ہو جائے اور اپنے وسائل کی حد تک ضروری کتب کو منظر عام پر لانے میں اپنا کردار ادا کرے۔ اس سلسلہ کا آغاز مولانا اصلاحیؒ کے ایک رسالہ "اصول فہم قرآن" اور مولانا فراہیؒ کی تحریروں پر مبنی کتاب "تفسیر قرآن کے اصول" سے کیا گیا۔ اب ادارہ کے پیش نظر مولانا اصلاحیؒ کے دروس مؤطا کے مجموعہ کی اشاعت ہے۔ یہ ایک بڑا اور بنیادی اہمیت کا کام ہے۔ اس کے لیے متن کی صحت اور اعراب کا اہتمام کیا گیا ہے۔ متن کے نیچے جلی حروف میں اس کا ترجمہ اور اس کے بعد وضاحت دی گئی ہے۔ کمپوزنگ اور تصحیح کے مراحل سے گزرنے کے بعد اس وقت کتاب پریس میں جا چکی ہے۔ اگر کوئی خاص مانع پیش نہ آیا تو ان شاء اللہ ماہ ستمبر کے آخر تک یہ اپنے شائقین تک پہنچ جائے گی۔

قرآن و حدیث پر غور کرنے کا مولانا اصلاحیؒ کا اپنا منفرد انداز ہے۔ جس طرح ان کی تفسیر "تدبر قرآن" نے قرآن مجید کی تفہیم کی راہ کھولی ہے اسی طرح مؤطا کی یہ شرح، جس کا نام "تدبر حدیث" تجویز کیا گیا ہے، تفہیم حدیث کا وہ طریقہ اجاگر کرنے کا باعث ہو گی جس کے اصول مولانا نے "مبادی تدبر حدیث" میں قائم کیے ہیں۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ ادارہ کے اس نئے پروگرام کی کامیابی کے لیے دعا گو ہیں اور شائع ہونے والی کتب کے پھیلانے کی سعی و اہتمام فرمائیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی

درس صحیح بخاری

(کتاب البیوع کی روایات)

۲۰۰۰۔ حدثنا موسی بن اسمعیل حدثنا وھب عن ابن طاؤس عن ابیہ عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ ﷺ نھی ان یبیع الرجل طعاما حتی یستوفیہ قلت لابن عباس کیف ذاک قال ذاک دراھم بدراھم و الطعام مرجاء۔

ترجمہ: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غلہ کو قبضہ میں لینے سے پہلے بیچنے کو منع فرمایا ہے۔ طاؤس نے ابن عباس سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہوئی (یعنی اس صورت میں منع کیوں ہے) تو انھوں نے کہا کہ یہ تو درہموں کی بیع درہموں کے بدلے میں ہوئی کیونکہ غلہ پر قبضہ میں تاخیر ہے۔

وضاحت: یعنی غلہ قبضہ میں نہیں لیا ہے، بس ایک ڈھیری ہے، نہ وزن معلوم ہے نہ ماپا ہے۔ فرض کیجئے کہ اسے ۵۰ درہم میں لیا ہے اور لینے والا قبضہ سے پہلے کہہ رہا ہے کہ اس کے ۶۰ یا ۷۰ درہم لوں گا۔ اس صورت میں بیع درہم بدرہم ہو گی اور اس چیز کی ہو گی جس کے ابھی آپ مالک نہیں ہوئے۔ ایسا سودا ممنوع ہے۔

۲۰۰۱۔ حدثنی ابو الولید حدثنا شعبۃ حدثنا عبداللہ بن دینار قال سمعت ابن عمرؓ یقول قال النبی ﷺ من ابتاع طعاما فلا یبیع حتی یقبضہ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے جو کوئی غلہ خریدے تو اس کو نہ بیچے جب تک کہ اپنے قبضہ میں نہ لے لے۔

وضاحت: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک آپ موقع پر موجود ہیں بیچنے والے کو بھی حق ہے کہ بیع کو منسوخ کر دے اور آپ کو بھی یہ حق حاصل ہے۔ آپ جب غلہ اٹھائیں گے اور دوسری جگہ منتقل کر لیں

گے تو یہ اب آپ کی ملکیت ہوگا اور اب آپ اس کے بیچنے کے مجاز ہیں۔

۲۰۰۲۔ حدثنا علی حدثنا سفیان کان عمرو بن دینار یحدثه عن الزهری عن مالك بن اوس انه قال من عنده صرف فقال طلحة انا حتی یجیئ خازننا من الغابة قال سفیان هوالذی حفظناه من الزهری لیس فیه زیادة فقال اخبرنی مالك بن اوس سمع عمر بن الخطاب یخبر عن رسول الله ﷺ قال الذهب بالذهب ربا الاهاء و هاء والبر بالبر ربا الا هاء و هاء والتمر بالتمر ربا الاهاء و هاء والشعیر بالشعیر ربا الا هاء و هاء.

ترجمہ: زہری مالک بن اوس کے بارے میں بتاتے ہیں کہ انھوں نے پوچھا: ہیں کسی کے پاس مبادلہ کے لیے سکے، تو طلحہ نے کہا میرے پاس ہیں۔ ہمارے خازن کو غابہ سے آنے دو۔ سفیان کہتے ہیں زہری سے تو ہم نے اتنی روایت ہی محفوظ رکھی ہے۔ اس پر کوئی اضافہ نہیں ہے۔ پھر زہری نے یہ کہا کہ مجھ کو مالک بن اوس نے خبر دی کہ انھوں نے حضرت عمرؓ کو آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے سنا کہ سونا سونے کے بدلے میں ربا ہے مگر ہاتھوں ہاتھ، گیہوں کا گیہوں کے بدلے بیچنا ربا ہے مگر ہاتھوں ہاتھ، کھجور کا کھجور کے عوض بیچنا ربا ہے مگر ہاتھوں ہاتھ اور جو کا جو کے بدلے بیچنا ربا ہے مگر ہاتھوں ہاتھ۔

وضاحت: یہ بات یاد رکھیے کہ اس روایت میں زہری موجود ہیں اور وہ کوئی نہ کوئی اڑنگا ڈال دیتے ہیں۔ طلحہؓ نے یہ جو کہا کہ غابہ سے خازن آئے گا تو دے دیں گے، اس پر زہری روایت نقل کر کے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ یہ معاملہ ہو نہیں سکتا اس لیے کہ ہاتھوں ہاتھ والی شرط پوری نہیں ہوتی۔ زہری نے روایت نقل کر کے اس کو موکد کر دیا ہے۔

روایت سے یہ بات نکلتی ہے کہ ان چار چیزوں کی بیع نسیہ (ادھار) نہیں ہو سکتی۔ سوال یہ ہے کہ کیوں نہیں ہو سکتی۔ فرض کیجیے میں ایک شخص کو ایک من گندم دیتا ہوں اور کہتا ہوں فصل پر ایک من لے لوں گا۔ یہ نسیہ تو ہے لیکن اس میں قباحت بھی نہیں۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ معاملہ نسیہ تو ہو سکتا ہے لیکن تفاضل نہیں ہو سکتا تو یہ بات بھی غلط ہے اس لیے کہ گندم کی کئی قسمیں ہیں اور سب قسموں کا ایک ہی بھاؤ تو نہیں ہوگا۔

میرے نزدیک نقدا نقد اور آمنے سامنے کے معاملہ میں مقدار میں اگر کمی بیشی ہوگی تو وہ

فریقین کی مرضی سے اور کوالٹی کے فرق کی بنا پر ہوگی۔ ادھار کی صورت میں تبادلہ ایک غیر متعین چیز کے ساتھ ہونے کے باعث اس میں ربا کا امکان ہے۔ تاہم ایسی صورتیں ممکن ہیں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، جن میں کوالٹی یکساں رکھ کر نسیہ تبادلہ بھی کیا جا سکے اور کوالٹی کے فرق کے ساتھ مقدار میں کمی بیشی بھی کی جا سکے۔

باب ۱۳۳۱ بیع الطعام قبل ان یقبض و بیع مالیس عندك

اناج کو قبضہ میں لینے سے پہلے بیچنا اور کسی ایسی چیز کا بیچنا جو اپنے پاس نہ ہو

۲۰۰۳۔ حدثنا علی بن عبدالله حدثنا سفیان قال الذی حفظنه من عمرو بن دینار سمع طاوسا یقول سمعت ابن عباسؓ یقول اما الذی نهی عنه النبی ﷺ فهو الطعام ان یباع حتی یقبض قال ابن عباسؓ ولا احسب کل شیئ الا مثله.

ترجمہ: سفیان کہتے ہیں کہ جو بات ہم نے عمرو بن دینار سے محفوظ رکھی ہے یہ ہے کہ انھوں نے طاؤس کو بیان کرتے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے ابن عباسؓ کو فرماتے سنا ہے کہ جس چیز سے نبی ﷺ نے روکا ہے وہ تو غلہ ہے جو قبضہ سے پہلے بیچا جائے۔ لیکن میں ہر چیز پر یہی حکم لگاتا ہوں۔

وضاحت: مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز جس کے ابھی آپ مالک نہیں ہوئے وہ نہ بیچیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نزاعات پیدا ہوں گی۔ جب قبضہ کر لیں گے تب یہ اطمینان ہو سکتا ہے کہ اب کوئی نزاع نہیں ہے۔ اس حکم کے اطلاق میں غلہ اور دوسری اشیاء برابر ہیں۔

۲۰۰۴۔ حدثنا عبدالله بن مسلمة حدثنا مالك عن نافع عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا یبیعه حتی یستو فیه زاد اسمعیل من ابتاع طعاما فلا یبیعه حتی یقبضه.

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے غلہ خریدا اس کو نہ بیچے جب تک کہ اس کو پوری طرح سے سونت نہ لے۔ اسمعیل نے اس پر اضافہ کیا کہ جس نے غلہ خریدا اس کو نہ بیچے جب تک کہ قبضہ نہ کر لے۔

وضاحت: غلہ جب تک اٹھایا نہیں جائے گا تب تک خریدار اور فروخت کنندہ دونوں کو حق حاصل رہتا

ہے کہ وہ معاملہ کو ختم کر دیں۔ مال کی جگہ بدل جانے سے ملکیت مکمل ہو جاتی ہے۔

باب ۱۳۳۲۔ من رای اذا اشتری طعاما جزا فا ان لا یبیعه حتی یوویه الی رحله والادب فی ذالك

جو شخص غلہ کا ڈھیر بن ماپے بن تولے خرید لے وہ اس کو اس وقت تک نہ بیچے جب تک اس کو اپنے ٹھکانے پر نہ لائے۔ اس کے خلاف کرنے والے کی سزا

۲۰۰۵۔ حدثنا یحییٰ بن بکیر حدثنا اللیث عن یونس عن ابن شهاب قال اخبرنی سالم بن عبدالله ان ابن عمرؓ قال لقد رایت الناس فی عهد رسول الله ﷺ یبتاعون جزافا یعنی الطعام یضربون ان یبیعوه حتی یؤوه الی رحالهم

ترجمہ : عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں دیکھا کہ لوگوں کو اس بات پر سزا دی جاتی کہ وہ غلہ کا ڈھیر خرید کر اپنے ٹھکانے پر لانے سے پہلے اس کو بیچ ڈالیں۔

وضاحت : اس میں بھی سب سے بڑی قباحت وہی ہے کہ بیع ایسی چیز کی ہے جس کے ابھی آپ مالک نہیں ہوئے۔ ایسی بیع کرنے والے کے خلاف تادیبی کارروائی کی جا سکتی ہے۔

باب ۱۳۳۳ اذا اشتری متاعا او دابة فوضعه عند البائع او مات قبل ان یقبض و قال ابن عمرؓ ما ادرکت الصفقة حیا مجموعا فهو من المبتاع

اگر کسی نے کوئی شے یا کوئی جانور خریدا اور اس کو بیچنے والے کے پاس ہی چھوڑ دیا یا وہ قبضے سے پہلے مر گیا تو اس کا حکم کیا ہو گا۔ ابن عمرؓ کا فتویٰ یہ ہے کہ بیع کے وقت جو چیز زندہ اکٹھی موجود تھی اس میں اگر کسی قسم کا نقصان ہوا تو وہ مشتری کے ذمہ ہو گا۔

وضاحت : یہ عبارت بالکل معمہ ہے اور میری رائے یہ ہے کہ غلط روایت ہوئی ہے اس لیے کہ صفقہ کو ادرکت کا فاعل جو بنایا ہے تو یہ بالکل بے تکی سی بات ہے اور یہ کہ حیا مجموعا اگر صفقہ سے حال ہے تو اس کا مفہوم واضح نہیں۔

جو کچھ میری سمجھ میں آیا ہے اس کے مطابق میں نے ترجمہ کر دیا ہے۔ شارحین نے "اومات" (یا وہ مر گیا) سے مراد لیا ہے کہ بائع مر گیا لیکن یہ غلط ہے۔ یہ کہنا پڑے گا کہ جو مال زندہ تھا اور بیع میں موجود تھا اگر وہ تلف ہو گیا یا غلہ تھا اس میں سے کچھ تلف ہو گیا تو مجموعہ نہیں رہا۔ اس صورت میں بار خریدار پر پڑے گا۔ بائع اس کا تاوان نہیں دے گا کیونکہ بیع کے وقت جس چیز کی بیع ہوئی وہ اکٹھی تھی۔ مشتری کی ذمہ داری تھی کہ قبضہ میں لیتا۔ اگر نہیں لیتا تو نقصان کا بائع ذمہ دار نہیں ہے۔

۲۰۰۶۔ حدثنا فروة ابن ابی المغراء اخبرنا علی بن مسهر عن هشام عن ابیه عن عائشة قالت لقل یوم کان یاتی علی النبی ﷺ الا یاتی فیه بیت ابی بکر احد طرفی النهار فلما اذن له فی الخروج الی المدینة لم یرعنا الا و قد اتانا ظهرا فخبر به ابوبکر فقال ما جاء نا النبی ﷺ فی هذه الساعة الا لامر حدث فلما دخل علیه فقال لابی بکر اخرج من عندك قال یا رسو ل الله انما هما ابنتای یعنی عایشة و اسماءؓ قال اشعرت انه قد اذن لی فی الخروج قال الصحبة یا رسول الله قال الصحبة قال یا رسول الله ان عندی ناقتین اعددتهما للخروج فخذ احدهما قال قد اخذتها بالثمن.

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ کم ہی کوئی دن ایسا ہوتا تھا کہ نبی ﷺ ابوبکرؓ کے گھر نہ آئے ہوں مگر جب آپ آتے تو دن کے اگلے حصہ میں یا پچھلے حصہ میں تشریف لاتے۔ جب آپ کو مدینہ ہجرت کی اجازت ملی تو دفعتاً ہمیں اس بات سے پریشانی ہوئی کہ آپ ٹھیک ظہر کے وقت تشریف لائے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع دی گئی تو انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ کا اس وقت آنا کسی نئی صورت حال سے ہے۔ جب آپ گھر میں آئے تو حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ تمہارے پاس جو لوگ ہیں ان کو باہر بھیج دو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ، یہاں صرف میری دونوں بیٹیاں ہیں۔ ان کی مراد عائشہؓ اور اسماءؓ تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو پتہ چلا کہ مجھے اب ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ مجھے بھی صحبت کا شرف حاصل ہو گا یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا ہاں تم کو بھی صحبت کا شرف حاصل ہو گا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ، میرے پاس دو اونٹنیاں ہیں۔ میں نے ان کو ہجرت ہی کے لیے پال رکھا ہے تو ایک آپ لے لیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے لے لی لیکن قیمتاً۔

وضاحت :اس روایت میں رسول اللہ ﷺ کے سفر ہجرت کی تیاری کا ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ جب آپ کو ہجرت کا اذن ہوا تو آپ نے نہایت رازداری سے اس کی خبر حضرت ابو بکرؓ کو دی۔ انھوں نے پہلے سے دو اونٹنیاں خرید کر سفر ہجرت کے لیے پال رکھی تھیں اور ان کو تیز سفر کا عادی کر دیا تھا۔ جونہی نبی ﷺ کی زبان سے انھیں معلوم ہوا کہ اب سفر درپیش ہے تو آنحضرتؐ سے یہ تصدیق کرائی کہ انھیں کیا سفر میں رفاقت کا شرف حاصل ہو گا؟ جب حضورؐ نے اثبات میں جواب دیا تو انھوں نے اونٹنیوں کے بندوبست کی خبر دی اور ایک اونٹنی آپ کے حوالہ کرنی چاہی۔ حضور نے اس پیشکش کو قبول فرمایا لیکن قیمت ادا کرنے کی شرط عائد کر دی۔ یہ واقعہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔

امام صاحب پچھلے ابواب میں جو بات ثابت کر چکے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر آپ کوئی چیز خریدیں تو اس کو بائع کے ہاں سے اپنی جگہ پر منتقل کر لیں تب بیع مکمل ہو گی۔ یہاں یہ ہے کہ اونٹنی نبی ﷺ نے خرید تو لی لیکن اس کو بائع کے پاس ہی چھوڑ دیا۔ اس باب میں یہ روایت لا کر وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ بیع ہو جانے کے بعد مال کو مشتری کی ذمہ داری پر بائع کے پاس چھوڑا جا سکتا ہے۔ اصطلاح میں اس کو التزام کہتے ہیں۔ یہ ایک کامن سینس کا معاملہ ہے اور اس کا انحصار خریدی گئی چیز پر بھی ہے۔ اگر آپ نے کسی سے ایک قلم خریدا ہے تو اس کو ساتھ لے جانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی لیکن اگر آپ نے ایک ڈھیر غلے کا خریدا ہے تو اس کو اٹھانے میں کچھ وقت لگ سکتا ہے۔ جب تک آپ اٹھا نہیں لیتے تو معاملہ نزاعی بن سکتا ہے۔ اس صورت میں اگر نقصان ہو گا تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا بار مشتری پر ڈالا جائے۔

یہاں جس واقعہ سے یہ حکم نکالا گیا ہے میرے نزدیک وہ محل نظر ہے اور اس کی نوعیت بالکل الگ ہے۔ یہ بیع و شرا کا معروف معنوں میں معاملہ تھا ہی نہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ایک جاں نثار ساتھی کی حیثیت سے حالات کے پس منظر میں اونٹنیاں خرید لی تھیں، یہ کاروبار کی غرض سے نہیں تھیں۔ وقت آنے پر انھوں نے آنحضرتؐ کو اس انتظام سے آگاہ کیا تو آپ نے ایک اونٹنی کی قیمت ادا کرنے کی شرط عائد کر دی۔ آنحضرتؐ کے شایان شان یہی بات تھی۔ آپ نے اپنے ایک جاں نثار کے ہدیہ کو قیمت کے ساتھ قبول کر لیا تو حضرت ابو بکرؓ کے لیے یہی کچھ کم شرف نہیں تھا۔

باب ۱۳۳۴۔ لا یبیع علی بیع اخیه ولا یسوم علی سوم اخیه حتی یاذن

له او یترك

اپنے بھائی کی بیع کے اوپر بیع کرنے کی کوشش نہ کرے اور اپنے بھائی کے مول کے اوپر مول بھاؤ نہ کرے جب تک کہ وہ اس کو اجازت نہ دے یا معاملہ کو چھوڑ کر الگ نہ ہو جائے۔

۲۰۰۷۔ حدثنا اسمعیل قال حدثنی مالك عن نافع عن عبدالله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال لا یبیع بعضکم علی بیع اخیه.

ترجمہ : عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی بیع کے اوپر بیع کرنے کی کوشش نہ کرے۔

وضاحت :اگر کوئی شخص کوئی معاملہ کر رہا ہو یا کوئی مول بھاؤ کر رہا ہو تو دوسرے شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ بیع میں کود کر مول لگائے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ کچھ سن گن لے لی اور بائع سے کہہ دیا کہ میں اتنا زائد دیتا ہوں، آپ فلاں بیع فسخ کر دیجیے۔ خیار کے دوران ایسا ہونا ممکن ہوتا ہے لیکن آنحضرتؐ نے اس سے منع فرمایا کیونکہ اگر کاروبار کا انداز یہی ہو جائے تو کوئی معاملہ سنجیدگی سے طے نہیں ہو سکے گا۔ پھر یہ اس اخوت و محبت کے بھی منافی بات ہے جس کی تعلیم اسلام اپنے ماننے والوں کو دیتا ہے۔

۲۰۰۸۔ حدثنا علی بن عبدالله حدثنا سفیان حدثنا الزهری عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة قال نهی رسول الله ﷺ ان یبیع حاضر لباد ولا تناجشوا ولا یبیع الرجل علی بیع اخیه و لا یخطب علی خطبة اخیه ولا تسأل المرأة لطلاق اختها لتکفأ ما فی انائها.

ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اس بات سے کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا ایجنٹ بن کر اس کا مال بیچے، اور یہ کہ قیمت بڑھانے کے معاملہ میں مقابلہ نہ کرو، اور کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع کے اوپر بیع نہ کرے، اور کوئی شخص اپنے بھائی کے پیام پر پیام نہ دے۔ اور عورت کے لیے بھی یہ روا نہیں ہے کہ وہ اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ کرے تاکہ اس کا حصہ اپنے پیالے میں انڈیل لے۔

وضاحت :اس روایت میں ایک جیسے طرز عمل کی کئی مثالیں جمع کر دی گئی ہیں اور یہ شاید زہری کا کمال ہے کیونکہ اس روایت کے مختلف حصے الگ الگ بھی روایت ہوئے ہیں۔ انھوں نے ان کو یکجا کر کے ایک

روایت ہلادی ہے۔ کئی اہم واقعات کی روایت میں بھی انہوں نے یہ کمال دکھایا ہے۔

یہاں ایک تو وہ معاملات ہیں جن کا تعلق منڈی سے ہے اور کاروباری لوگ دخل اندازی کر کے عوام الناس کے لیے مشکلات پیدا کرتے اور اپنی تجوریاں بھرنے کی خاطر ان کے لیے اشیائے صرف کی قیمتیں بڑھانے کا باعث بنتے ہیں۔ دوسرے معاملات وہ ہیں جو اسلامی اخوت و محبت کے منافی ہیں لیکن لوگ اپنے مفاد کی خاطر دوسروں کے مفاد کو نقصان پہنچانے سے دریغ نہیں کرتے۔

پہلی قسم کے معاملات میں نبی ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ شہری لوگ دیہات سے مال لانے والوں کے ایجنٹ بن کر ان کا مال بیچیں۔ دیہاتیوں کو مال منڈی میں لانا چاہیے تاکہ وہ خود بھاؤ کر سکیں۔ اس طرح بازار میں مصنوعی قیمتیں رائج نہ کی جا سکیں گی۔ اسی طرح آپ نے بولی لگا کر قیمتیں بڑھانے سے بھی روکا۔ دوسری قسم کے معاملات میں آنحضرتؐ نے کسی بھائی کے سودے کو نئی قیمت کا لالچ دے کر خراب کرنے، کسی بھائی کی شادی کے پیام پر اپنا پیام بھیجنے سے منع فرمایا کہ یہ اسلامی جذبہ اخوت و محبت کے منافی کام ہے۔

اسی طرح کسی شخص نے کسی عورت کو شادی کا پیام دیا تو اگر وہ یہ شرط لگاتی ہے کہ پہلی بیوی کو طلاق دے دو تب منظور کروں گی تاکہ جو کچھ اس کے پیالہ میں ہے وہ بھی یہی کھائے، اس کو شریک نہیں کرنا چاہتی، تو یہ بھی جائز نہیں اس لیے کہ یہ نہایت شدید قسم کی خست اور سنگ دلی کی بات ہے۔

یہ چند مثالیں ہیں۔ ان پر قیاس کر کے جہاں جہاں بھی یہی خرابی پائی جائے گی تو اسی اصول پر اس کی ممانعت کا حکم لگایا جائے گا۔ آج کل ہماری اسمبلیوں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی اس میں داخل ہے۔ وہ زمانہ گزر گیا جب خطبہ علی خطبہ ہوتا تھا اب تو وزارت علی الوزارت ہوتی ہے۔

باب ۱۳۳۵۔ بیع المزایدة و قال عطاء ادرکت الناس لا یرون باسا ببیع المغانم فیمن یزید

باب : نیلام کے بیان میں۔ عطاء کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو پایا کہ وہ غنیمت کے مال کی بیع ایسے شخص کے ہاتھ کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے جو اس کی قیمت زیادہ دے۔

مزایدہ کے معنی نیلام کے ہیں۔ مثلاً کوئی چیز ہے، اس کی قیمت ایک نے کچھ لگائی، دوسرے

نے کہا میں اتنا زیادہ دیتا ہوں۔ اس طرح قیمت جو زیادہ دے گا چیز اس کو دے دی جائے گی۔ عطاء کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس بات میں حرج نہیں سمجھتے تھے کہ غنیمت کے مال کو نیلام کے ذریعہ فروخت کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پبلک پراپرٹی کو نیلام کے ذریعہ بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے۔ فرض کیجئے کسی غریب کا مال ہے، کسی یتیم کا مال ہے اور آپ کی خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ قیمت اس کو ملے۔ آپ اس کو مزایدہ کے ذریعہ بیچ سکتے ہیں۔ اس کے جائز ہونے کی علت واضح ہے۔ اس کو ناجائز کہنے کی علت سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن شخصی طور پر شریفانہ طریقہ یہی ہے کہ ایک شخص آتا ہے اور چیز دیکھ کر اس کی قیمت طے کرتا اور خرید لیتا ہے۔ ہر جگہ نیلام نہیں چل سکتا ورنہ بہت مشکل ہو جائے گا۔

۲۰۰۹۔ حدثنا بشر بن محمد اخبرنا عبدالله اخبرنا الحسین المکتب عن عطاء بن ابی رباح عن جابر بن عبدالله ان رجلا اعتق غلاماله عن دبر فاحتاج فاخذه النبی ﷺ فقال من یشتریه منی فاشتراه نعیم ابن عبدالله بکذا و کذا فدفعه الیه.

ترجمہ : حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو اپنی موت کے بعد آزادی کا پروانہ دے دیا، لیکن پھر وہ خود محتاج ہو گیا تو نبی ﷺ نے اس غلام کو لے کر یہ فرمایا کہ کون اس کو مجھ سے خریدتا ہے؟ تو نعیم بن عبداللہ نے اس اس قیمت پر خرید لیا تو آپ نے غلام ان کے حوالے کر دیا۔

وضاحت : مدبر غلام وہ ہوتا ہے جس کے بارے میں اس کا مالک اعلان کر دے کہ میرے مرنے کے بعد یہ آزاد ہو گا۔ امام صاحب نے اس روایت سے مزایدہ کا جواز نکالا ہے۔ وہ اس طرح کہ آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ کون اس کو مجھ سے خریدتا ہے تو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ اعلان عام نیلامی کی ایک شکل ہے۔ اس اعلان سے نیلامی کا جواز کہاں تک نکلتا ہے، آپ اس پر غور فرمالیں۔

مدبر کے معاملہ میں میری رائے یہ تھی کہ اس کے ساتھ کیے گئے معاہدہ کو بدلا نہیں جا سکتا۔ لیکن یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو ضیق سے نکالنے کے لیے ایسا کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شدید ضرورت کی صورت میں اس کے مالک کی زندگی میں معاہدہ بدلا جا سکتا ہے لیکن اس کے مرنے کے بعد مالک کی وصیت میں کوئی تبدیلی اس کا وارث نہیں کر سکتا۔ لیکن اس

معاملہ میں اب پڑنے کی ضرورت نہیں رہی اس لیے کہ غلامی کے مسئلہ سے ہماری اور آپ کی جان چھوٹ گئی ہے۔ الحمدللہ اب یہ مسئلہ ختم ہو چکا ہے۔

باب ۱۳۳۶۔ النجش و من قال لا یجوز ذالك البیع و قال ابن ابی اوفی الناجش آكل ربا خائن و هو خداع باطل لا یحل. قال النبی ﷺ الخدیعة فی النار و من عمل عملا لیس علیه امرنا فهورد.

باب نجش یعنی دھوکا دینے کے لیے قیمت بڑھانے اور ان کے بارے میں جنہوں نے کہا کہ یہ بیع جائز نہیں ہے۔

اور ابن ابی اوفی نے کہا ناجش سود خوار ہے، خائن ہے، اور نجش فریب ہے، جھوٹ ہے، یہ درست نہیں ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا دھوکا دوزخ میں پڑے گا اور جس نے وہ عمل کیا جس میں ہمارا حکم موجود نہیں تو وہ مردود عمل ہے۔

وضاحت: صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے اس باب میں جو کچھ لکھا تھا وہ ایک نوٹ تھا لیکن لوگوں نے اس کی روایت کر دی۔ یہ سب تعلیقات ہیں اور وہ بھی معلق۔ تلاش کرتے رہے موصول روایت نہیں ملے گی۔

نجش یہ ہے کہ کچھ لوگ بازار میں بیٹھے ہوتے ہیں جو قیمت بڑھانے کے لیے اصل خریدار کی لگائی ہوئی قیمت سے زیادہ بولی لگا دیتے ہیں۔ مقصود ان کا بیع کرنا نہیں بلکہ صرف قیمت بڑھوانا ہوتا ہے تاکہ اس کے بدلے میں کچھ پالیں۔ امام صاحب نے کسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ لا یجوز ذالك البیع یہ بیع جائز نہیں ہے۔ اخلاقی طور پر آپ یہ کہہ سکتے ہیں لیکن بری قسم کی ہی سہی، قانوناً تو یہ بیع منعقد ہو جائے گی۔ اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ یہ الگ معاملہ ہے کہ وہ لوگ گناہ گار ہوں گے۔

ابن ابی اوفی کہتے ہیں کہ ناجش سود کھاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ وہاں بیٹھا صرف یہ کام کرتا ہے کہ قیمت بڑھوا کر اس میں سے اپنا حصہ لے لیتا ہے۔ اس کے اوپر ربا کا اطلاق تو نہیں ہوتا۔ شاید وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ شخص حرام کھانے والا ہے اور اس کا عمل دھوکا ہے، جھوٹ ہے اور ناجائز ہے۔

امام صاحب نے بڑی تاکید کے ساتھ نبی ﷺ کا قول نقل کیا ہے کہ دھوکا دوزخ میں پڑے گا، اور وہ عمل مردود ہے جس کے بارے میں ہمارا حکم موجود نہیں ہے۔ یہ سب کچھ نقل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ یہ بیع، بیع نہیں ہے۔ میرے نزدیک اس میں قانونی قباحت تو کوئی نہیں اور یہ بیع منعقد ہو جائے گی البتہ ایسی بیع کرنے والا گناہگار ہوگا۔ یہ اسی طرح ہے کہ حیلہ کے طور پر جو کام ہوتا ہے، وہ کام تو ہو جائے گا اس لیے کہ اس پر قانوناً گرفت نہیں کر سکتے لیکن حرام ہوگا۔

۲۰۱۰۔ حدثنا عبدالله بن مسلمة حدثنا مالك عن نافع عن ابن عمرؓ قال نهی النبی ﷺ عن النجش

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے نجش سے منع فرمایا ہے۔ نجش کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

باب ۱۳۳۷ بیع الغرر و حبل الحبله

باب دھوکے کی بیع اور حاملہ کے حمل کی بیع کا بیان

۲۰۱۱۔ حدثنا عبدالله بن یوسف اخبرنا مالك عن نافع عن عبدالله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ نهی عن بیع حبل الحبلة و كان بیعا یتبایعه اهل الجاهلیة كان الرجل یبتاع الجزور الی ان تنتج الناقة ثم تنتج التی فی بطنها.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حاملہ کے حمل کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ یہ بیع اس طریقہ سے کرتے تھے کہ ایک شخص اونٹ یا اونٹنی خریدتا تھا اتنی مدت تک کے لیے کہ اونٹنی بچہ جنے اور پھر بچہ جنے وہ مادہ جو ابھی اس کے بطن میں ہے۔

وضاحت: روایت میں و كان بیعا یتبایعه اهل الجاهلیة سے لے کر آخر تک جو قول نقل ہوا ہے وہ اکثر محدثین کی رائے میں نافع کا ہے۔ اس وجہ سے اس کی اہمیت رسول اللہ ﷺ کے قول کی طرح نہیں ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جاہلیت میں لوگ ایسا کرتے تھے۔ اس کی کچھ علت رہی ہوگی۔ میری رائے میں حاملہ کے حمل کے بچنے کی نوعیت یہ رہی ہوگی کہ نسل کا اہتمام ہو۔ اچھی نسل کا اونٹ اور اچھی نسل کی اونٹنی ہو۔ اس زمانے میں عرب نسل کا تحفظ ضروری سمجھتے تھے۔ کیونکہ عرب میں پائیدار اور تیز تر سواری ناقہ کی سواری تھی۔ کھانے کی اس کو پروا نہیں، پانی کی ضرورت نہیں، طوفان کی طرح اڑی جا

رہی ہے۔ اونٹنی تو عربوں کے ہاں شاعری کا مضمون ہے۔ جب امرا القیس اپنی اونٹنی کی تعریف میں اشعار کہتا ہے تو بس عش عش کیجئے۔

جزور کا لفظ عام ہے اور نر و مادہ دونوں کے لیے آتا ہے۔ حبل الحبلۃ کا مطلب حاملہ اونٹنی کا وہ بچہ ہے جو ابھی اس کے پیٹ میں ہے۔ ہوتا یہ تھا کہ خریدار کہتا کہ حاملہ اونٹنی جو بچہ جنے گی وہ مجھے دے دو۔ جواب ملتا کہ وہ تو بک گیا ہے تو خریدار کہتا کہ اس کی اگلی نسل کے دام لے لو۔ اس میں ظاہر ہے کہ جو کچھ ہو گا وہ ایک خیالی شے ہے۔ معلوم نہیں اونٹنی جنے گی تو ناقص جنے گی یا کامل، مردہ جنے گی یا زندہ۔ یہ بیع اسلام میں ممنوع ہے۔ اسلام میں معاملات کے عدم جواز کی بنیادیں دو ہیں۔ غرر اور ضرر۔ یعنی ہر وہ معاملہ باطل ہے جس میں ایک پارٹی کو دھوکا یا نقصان ہوتا ہے اور دوسری اس سے محفوظ رہتی ہے۔

بیع غرر اور ضرر میں ایک پیچیدہ شکل پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر بیع مجہول جائز نہیں ہو گی تو کاروبار کیسے چلے گا۔ آج کروڑوں اور اربوں کا کاروبار ہوتا ہے۔ آپ نے امریکہ سے F/16 طیارے خریدنے ہیں، قیمت کا بڑا حصہ جمع بھی کرا دیتے ہیں اور طیارے ابھی کہیں موجود ہی نہیں تو کیا یہ بیع مجہول نہیں ہے۔ اسی طرح تالاب کی مچھلی ہے جو اندازے پر بکتی ہے۔ پھر اس سے بڑا مسئلہ باغ کی فروخت کا ہے۔ جب تک باغ پکنے کے قریب نہ ہوں آپ ان کو بیچ نہیں سکتے۔

میرے نزدیک اصول یہ رہے گا کہ جب یہ معلوم ہے کہ تالاب میں اتنی مچھلی ڈالی گئی اور تخمیناً اتنی ہو گی تو ان کو بیچنا غرر میں شامل نہیں۔ عالمی منڈی میں بڑے بڑے سودے علی الوصف ہوتے ہیں۔ اشیاء کی باقاعدہ پوری تفصیل اور ان کی صفات (Specifications)، نیز قواعد و ضوابط تجارتی اصولوں کے مطابق طے ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ بیع مجہول نہیں ہے۔ البتہ باغوں کا معاملہ بڑا کٹھن ہے۔ خریدار یہ کہتے ہیں کہ باغ ہمیں تین سال کے لیے یا کم از کم دو سال کے لیے دے دیں۔ یہ تو وہی ہوا کہ ناقہ کے پیٹ میں جو ہے وہ بھی اور اس کی پوتی بھی مطلوب ہوتی ہے۔ اگر آپ نہ دیں تو خریدار انتظار کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے کہ پھل پکنے لگے تو باغ لیں۔ میں رحمان آباد میں اپنے رقبے پر آٹھ سال تک سر ٹکرا کر عاجز ہو کر بیٹھ گیا۔ میں کہتا کہ کچھ بھی ہو جب پھل پکنے لگے گا تب میں باغ بیچوں گا۔ باغ میں روک لیتا اور عین پھل پکنے کے وقت خریدار نہ ملتا۔ پھل تڑوا تڑوا کر بازار بھیجنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ شدید نقصان ہو رہا ہے۔ پھر میں نے یہ کیا کہ چونکہ از روئے شریعت ایک ثلث تک کے نقصان کا

اعتبار کیا جاتا ہے تو میں نے کہا کہ اگر ایک ثلث تک کا نقصان ہو گا تو میں برداشت کروں گا۔ اس سے کم کا اعتبار نہیں اور باغ دے دیا۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہوا کہ آپ باغ روک رکھیں کیونکہ پھل پکنے کے قریب ہوتا ہے تو گاہک اس وقت نہیں ہوتے۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ پکنے سے پہلے آپ بیچ نہیں سکتے کیونکہ ایسی بیع مجہول ہے۔

باب ۱۳۳۸ بیع الملامسة و قال انسؓ نهی عنه النبی ﷺ

یہ باب بیع ملامسۃ کے بارے میں ہے اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے روکا ہے۔

۲۰۱۲۔ حدثنا سعید بن عفیر قال حدثنی اللیث قال حدثنی عقیل عن ابن شهاب قال اخبرنی عامر بن سعید ان ابا سعیدؓ اخبره ان رسول الله ﷺ نهی عن المنابذة و هی طرح الرجل ثوبه بالبیع الی الرجل قبل ان یقلبه او ینظر الیه و نهی عن الملامسة والملامسة لمس الثوب لا ینظر الیه.

ترجمہ: ابو سعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے منابذہ سے منع کیا ہے۔ منابذہ یہ ہے کہ ایک آدمی جو کپڑا بیچتا ہے اپنے کپڑے کا تھان بیع کے لیے دوسرے کی طرف پھینکے اور وہ اس کو الٹ کر دیکھنے سے قبل ہی اس کو خریدے۔ نیز آپ نے بیع ملامسہ سے بھی منع فرمایا ہے اور ملامسہ میں یہ ہوتا ہے کہ خریدار کپڑے کو بغیر دیکھے ہاتھ لگا دے۔

وضاحت: منابذہ اور ملامسۃ کی جو تعریف بیان ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک طرح کا جوا تھا۔ منابذہ میں یہ ہوتا کہ کپڑے کا تھان خریدار کی طرف پھینک دیا جاتا اور بیع ہو جاتی۔ اب معلوم نہیں کہ کپڑا ریشمی ہے، سوتی ہے، ناقص ہے یا ٹھیک ہے۔ تو اس بیع میں غرر ہے، چیز کو خریدار نے دیکھا نہیں اور بیع واجب ہو گئی۔ اسلام نے اس کو ممنوع ٹھہرایا ہے۔ ملامسۃ میں کپڑے کو دیکھے بغیر تھان پر ہاتھ مار دیا جاتا اور شرط یہ ہوتی کہ اسی کی بیع ہو گی تو اس میں بھی قمار ہے۔ اور یہ بھی منع ہے کیونکہ خریدار دھوکے میں مبتلا ہو سکتا تھا۔

۲۰۱۳۔ حدثنا قتيبة حدثنا عبدالوهاب حدثنا ايوب عن محمد عن ابی هريرة قال نهی عن لبستين ان يحتبی الرجل فی الثوب الواحد ثم يرفعه علی منكبه و عن بيعتين اللماس والنباذ.

ترجمہ : ابوہریرۃؓ سے روایت ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ لوگوں کو دو طرح کے لباس سے روکا گیا ہے۔ ایک یہ کہ آدمی ایک ہی کپڑا لپیٹے اور اسی کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر بھی ڈال لے۔ اور دو قسم کی بیع سے روکا ہے۔ ایک ملامسہ دوسری منابذہ۔

وضاحت : احتباء یہ ہے کہ آدمی زمین پر نشست کو آرام دہ بنانے کے لیے چادر کو کمر اور گھٹنوں کے گرد لپیٹ لے۔ اس عمل میں دو چادریں استعمال ہوں، ایک تہمد کے طور پر باندھ لی جائے اور دوسری کمر کے گرد لپیٹی جائے تو کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اگر ایک ہی چادر سے دونوں کام لیے جائیں تو ستر کھل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ علی ھذا القیاس ایک چادر بطور تہمد باندھی جائے اور اس کے دو کونے کندھے پر باندھ لیے جائیں تب بھی چلتے ہوئے ستر کھل جائے گا۔ نبی ﷺ نے ان دو لباسوں سے منع فرمایا۔ کیونکہ یہ حیا کے منافی ہیں۔ بیع کی جن دو قسموں سے منع فرمایا ان کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

باب ۱۳۳۹ بيع المنابذه و قال انسؓ نهی عنه النبی ﷺ

باب بیع منابذہ کے بیان میں اور انسؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

۲۰۱۴۔ حدثنا اسمعيل قال حدثنی مالك عن محمد بن يحيی بن حبان عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ نهی عن الملامسة و المنابذة.

ترجمہ : ابوہریرۃؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بیع ملامسہ اور منابذہ سے منع فرمایا ہے۔

۲۰۱۵۔ حدثنا عياش بن الوليد حدثنا عبدالاعلی حدثنا معمر عن الزهری عن عطاء ابن يزيد عن ابی سعيدؓ قال نهی النبی ﷺ عن لبستين و عن بيعتين الملامسة و المنابذة.

ترجمہ : ابوسعیدؓ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے دو طرح کے لباس اور دو طرح کی بیع یعنی ملامسہ اور منابذہ سے۔

وضاحت : اس باب کی روایات کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

(ترتیب : سید اسحاق علی)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

درس موطا امام مالکؒ

مَا يُكْرَهُ مِنَ الصَّدَقَةِ

صدقہ میں کیا چیز مکروہ ہے

□ حَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِآلِ مُحَمَّدٍ إِنَّمَا هِیَ أَوْسَاخُ النَّاسِ

ترجمہ : امام مالکؒ سے روایت ہے کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آل محمد کے لیے صدقہ جائز نہیں۔ یہ لوگوں کے جسموں کا میل کچیل ہے۔

وضاحت : یہ روایت امام مالک کی بلاغات میں سے ہے۔ امام مالک نے اس میں راوی کا نام نہیں لکھا مگر یہ یاد رکھیے کہ یہ روایت پانچ چھ طریقوں سے مرفوع ہے اور ان سب میں ابن شہاب موجود ہے۔ یہ روایت قرآن کے بالکل خلاف ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے۔ میرے نزدیک اس کو شیعوں کے امام ابن شہاب نے گھڑا ہے تاکہ آل محمد کی برہمنیت کو قائم کیا جائے۔ پہلے میرا خیال یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بات یوں فرمائی ہو گی کہ **لا تحل الصدقة لآل محمد** اور یہ فرمانے کی وجہ یہ رہی ہو گی کہ یہودیوں میں یہ ہوا تھا کہ صدقہ اور زکوٰۃ کی جتنی رقوم ہوتی تھیں وہ یہود کے قبیلہ بنی لاوی کا حق مان لی گئی تھیں۔ قربانی کے جتنے جانور ہوتے تھے ان کے گوشت کا بہترین حصہ ان کا حصہ ہوتا تھا اور خیرات کی تمام رقمیں ان کی ہوتی تھیں۔ دوسرے لوگ ان سے محروم کر دیے گئے۔ میرا خیال یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اس فتنہ کے سدباب کے لیے فرما دیا **لا تحل الصدقة لآل محمد** کہ آل محمدؐ کے لیے صدقہ جائز نہیں۔ اس کے بعد روایت کا جتنا حصہ ہے وہ ابن شہاب کا اسی طرح کا اضافہ ہے جس طرح کا اضافہ انھوں نے پیچھے بیان ہونے والی العین حق (نظر بد ایک حقیقت ہے) کی روایت میں کیا ہے۔ وہاں العین حق کی تاویل تو ہو سکتی ہے لیکن اس کے بعد نظر بد اتارنے کا جو ٹوٹکا ابن شہاب نے بتایا ہے کہ نظر لگانے والے شخص کو پکڑا جائے، وہ اپنے تہمد کے نیچے کا حصہ دھوئے اور دھوون اس شخص پر

انڈیل دی جائے جس کو نظر لگی ہو۔ تو یہ لن شہاب کا اپنا اضافہ ہے۔ لیکن اب میری رائے یہ ہے کہ یہ پوری روایت جھوٹی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر صدقہ اوساخ الناس (لوگوں کا میل کچیل) ہے تو یہ میل کچیل ان لوگوں کے لیے ہے جو مالدار ہیں اور لوگوں کا حق ادا نہیں کرتے۔ محتاج اور نادار اگر پاتے ہیں تو اپنا حق پاتے ہیں۔ یہ بات قرآن مجید سے ثابت ہے کہ یہ **حق معلوم** یعنی ان کا معین حق ہے۔ قرآن مجید میں یہ بتایا گیا ہے کہ لوگوں کے پاس جو زائد مال ہوتا ہے وہ اصل میں دوسروں کے حقوق ہیں جو امراء کی امانت میں دیے جاتے ہیں اور اس سے ان کا امتحان مقصود ہوتا ہے کہ وہ حقوق ادا کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ اس مال کو ہڑپ کریں تو وہ غلاظت کا ڈھیر ہے جو وہ کھا رہے ہیں۔ مستحقین کے لیے یہ غلاظت کا ڈھیر نہیں بلکہ اللہ کا دیا ہوا مال ہے۔

پھر اس روایت میں آل محمد کو برہمنوں کی طرز کا ایک پورا خاندان بنا دیا گیا اور اس میں تمام بنی ہاشم کو شامل کر دیا گیا۔ تمام بنی ہاشم کے لیے صدقات حرام کر دیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اوپر بیان کردہ روایت کی رو سے چونکہ الید العلیا (اوپر کا ہاتھ) افضل ہے اور الید السفلیٰ (نیچے کا ہاتھ) مفضول ہے تو آل محمدؐ کے لیے یہ کس طرح جائز ہوتا کہ ان کا ہاتھ نیچے رہے۔ چاہے وہ غریب ہوں یا امیر۔ ان کو تو بہر حال سر پر بیٹھنا ہے۔ وہ نیچے کس طریقہ سے اتر سکتے ہیں۔

پھر یہ سوال بھی اہم ہے کہ تمام بنی ہاشم کس طریقہ سے آل محمدؐ میں شامل ہو گئے۔ یہ واقعہ ہے کہ عرب میں اور ہمارے ہاں بھی یہ رواج رہا ہے کہ آدمی کی نسل لڑکی سے نہیں چلتی بلکہ لڑکے سے چلتی ہے۔ بالفرض سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے متعلق مان لیجئے کہ وہ آل محمدؐ ہیں لیکن بنی ہاشم کے پورے خاندان کو کس طریقہ سے آل محمد ہونے کا شرف حاصل ہو جاتا ہے؟ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت صرف بنی ہاشم کا سر اونچا کرنے کے لیے گھڑی گئی ہے ورنہ اس کی کوئی بنیاد نہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آل محمدؐ میں اگر کچھ لوگ فی الواقع محتاج ہوں اور ان کے پاس زندگی گزارنے کے وسائل موجود نہ ہوں تو کیا ان کو بھوکے مرنے دیا جائے گا اور صدقہ سے ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ اگر اس مدد کے لیے کوئی حیلے تراشے جاتے ہیں تو اس سے حقیقت تو نہیں بدل جائے گی۔ اس صورت میں بھی ان کا ہاتھ تو نیچے ہی رہے گا۔

☐ حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ اسْتَعْمَلَ

رَجُلًا مِنْ بَنِي عَبْدِ الْأَشْهَلِ عَلَى الصَّدَقَةِ، فَلَمَّا قَدِمَ سَأَلَهُ إِبِلًا مِنَ الصَّدَقَةِ فَغَضِبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَتَّى عُرِفَ الْغَضَبُ فِي وَجْهِهِ وَكَانَ مِمَّا يُعْرَفُ بِهِ الْغَضَبُ فِي وَجْهِهِ أَنْ تَحْمَرَّ عَيْنَاهُ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَسْأَلُنِي مَالَا يَصْلُحُ لِي وَلَا لَهُ، فَإِنْ مَنَعْتُهُ كَرِهْتُ الْمَنْعَ، وَإِنْ أَعْطَيْتُهُ أَعْطَيْتُهُ مَالَا يَصْلُحُ لِي وَلَا لَهُ، فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَا أَسْئَلُكَ مِنْهَا شَيْئًا أَبَدًا.

ترجمہ : عبداللہ بن ابوبکر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی عبدالاشہل کے خاندان میں ایک شخص کو صدقے کی وصولی پر مامور کیا۔ وہ جب واپس آئے تو انہوں نے صدقے کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ مانگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا، یہاں تک کہ آپ کے چہرے سے آپ کا غصہ ظاہر ہونے لگا۔ آپ کا غصہ چہرے سے اس وقت ظاہر ہوتا تھا جب آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ یہ شخص مجھ سے وہ چیز مانگتا ہے جو میرے لیے ٹھیک ہے نہ اس کے لیے۔ اگر نہ دوں تو میں نہ دینے کو برا سمجھتا ہوں، اگر دوں تو میں اس کو وہ چیز دوں گا جو میرے لیے ٹھیک ہے نہ اس کے لیے۔ تو اس آدمی نے کہا کہ یا رسول اللہ میں اب اس میں سے کبھی کوئی چیز نہیں مانگوں گا۔

وضاحت : یہ حدیث بالکل واضح ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مانگنے کی یہ شکل بھی مکروہ ہے۔

☐ حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْأَرْقَمِ ادْلُلْنِي عَلَى بَعِيرٍ مِنَ الْمَطَايَا أَسْتَحْمِلُ عَلَيْهِ أَمِيرَالْمُؤْمِنِينَ؟ فَقُلْتُ نَعَمْ جَمَلًا مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ الْأَرْقَمِ أَتُحِبُّ أَنَّ رَجُلًا بَادِنًا فِي يَوْمٍ حَارٍ غَسَلَ لَكَ مَا تَحْتَ إِزَارِهِ وَرُفْغَيْهِ ثُمَّ أَعْطَاكَهُ فَشَرِبْتَهُ. قَالَ فَغَضِبْتُ وَقُلْتُ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ أَتَقُولُ لِي مِثْلَ هٰذَا فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْأَرْقَمِ إِنَّمَا الصَّدَقَةُ أَوْسَاخُ النَّاسِ يَغْسِلُونَهَا عَنْهُمْ.

ترجمہ : زید بن اسلم کے والد راوی ہیں کہ عبداللہ بن الارقم نے ان سے کہا کہ مجھے سواری کے اونٹوں کی نشان دہی کرو کہ میں ان میں سے امیر المومنین سے سواری کے لیے مانگوں۔ تو میں نے کہا: اچھا! صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک مانگئے۔ تو عبداللہ بن الارقم نے کہا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ایک موٹا فربہ آدمی گرمی کے دن اپنے تہمد کے نیچے کے اور اپنی رانوں کے بیچ کے حصے کو دھوئے، پھر وہ دھوون

آپ کو دے اور آپ اس کو پئیں۔ کہتے ہیں میں نے بڑے غصے میں کہا اللہ آپ کو معاف کرے۔ کیا آپ مجھ سے اس طرح کی بات کہہ رہے ہیں؟ تو عبداللہ بن الارقم نے کہا کہ صدقہ لوگوں کی میل کچیل ہے جس کو وہ اپنے سے دھوتے ہیں۔

وضاحت: یہ بات ٹھیک ہے کہ ایک غیر مستحق صدقے کے مال میں سے مانگے تو وہ اس کے لیے ناجائز ہوگا لیکن یاد رکھیے کہ مستحق کے لیے وہ مال ناپاک نہیں بلکہ یہ اس کا حق ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے۔

مَاجَاءَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ
طلب علم کے بارے میں

☐ حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ لُقْمَانَ الْحَكِيمَ أَوْصَى ابْنَهُ. فَقَالَ يَا بُنَيَّ جَالِسِ الْعُلَمَاءَ وَ زَاحِمْهُمْ بِرُكْبَتَيْكَ فَإِنَّ اللّٰهَ يُحْيِي الْقُلُوبَ بِنُورِ الْحِكْمَةِ كَمَا يُحْيِي اللّٰهُ الْأَرْضَ الْمَيْتَةَ بِوَابِلِ السَّمَاءِ.

ترجمہ: امام مالکؒ کو یہ بات پہنچی ہے کہ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو وصیت کی اور کہا: بیٹے! علماء کی صحبت اختیار کرلو اور ان کے گھٹنے کے ساتھ گھٹنا ملا کر ان کے آگے بیٹھا کرو۔ اللہ تعالیٰ حکمت کے نور سے اسی طرح دلوں کو زندہ کرتا ہے جس طرح وہ مردہ زمین کو آسمانی بارش سے زندہ کرتا ہے۔

وضاحت:

یہ رسول اللہ ﷺ کا قول نہیں بلکہ لقمان حکیم کا قول ہے۔ لقمان عرب کے حکماء میں سے تھے، پیغمبر نہیں تھے۔ ان کی تاریخ بھی مجہول ہے۔ اگر قرآن مجید نے ان کا ذکر نہ کیا ہوتا تو ان کے متعلق ہم اچھی یا بری رائے قائم کرنے کی کسی پوزیشن میں نہیں تھے۔ لقمان حکیم کی بیٹے کو یہ نصیحت قرآن مجید میں بیان نہیں ہوئی ہے۔ امام مالکؒ نے کہیں سے سنی ہے اور حدیث کی کتاب میں اس کو درج کر دیا ہے اور ایسے نہ جانے کتنے اقوال ہیں جو انہوں نے جمع کیے ہیں۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایسے اقوال بھی نقل کیے ہیں جو ہمیں انجیلوں میں نہیں ملے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حکمت کی اچھی باتوں

سے خاص دلچسپی تھی۔ نصیحت اپنی جگہ بہت قیمتی ہے۔ علماء کی صحبت میں بیٹھنے سے حکمت کی باتیں سننے کو ملتی ہیں اور آدمی میں اخذ کی صلاحیت ہو تو وہ ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہ چیز دل کی زندگی کا باعث ہوتی ہے۔

مَا يُتَّقَى مِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ
مظلوم کی بددعا سے بچنے کے بارے میں

☐ حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اسْتَعْمَلَ مَوْلًى لَهُ يُدْعَى هُنَيًّا عَلَى الْحِمَى، فَقَالَ يَا هُنَيُّ اضْمُمْ جَنَاحَكَ عَنِ النَّاسِ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ مُجَابَةٌ" وَ أَدْخِلْ رَبَّ الصُّرَيْمَةِ وَالْغُنَيْمَةِ، وَإِيَّايَ وَ نَعَمَ ابْنِ عَفَّانَ وَابْنِ عَوْفٍ فَإِنَّهُمَا إِنْ تَهْلِكْ مَا شِيَتُهُمَا يَرْجِعَانِ إِلَى الْمَدِينَةِ إِلَى زَرْعٍ وَ نَخْلٍ، وَ إِنَّ رَبَّ الصُّرَيْمَةِ وَالْغُنَيْمَةِ إِنْ تَهْلِكْ مَا شِيَتُهُ يَأْتِنِي بِبَنِيهِ فَيَقُولُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَفَتَارِكُهُمْ أَنَا لَا أَبَا لَكَ فَالْمَاءُ وَالْكَلَأُ أَيْسَرُ عَلَيَّ مِنَ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ وَ ايْمُ اللّٰهِ إِنَّهُمْ لَيَرَوْنَ أَنْ قَدْ ظَلَمْتُهُمْ إِنَّهَا لَبِلَادُهُمْ وَمِيَاهُهُمْ قَاتَلُوا عَلَيْهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَ أَسْلَمُوا عَلَيْهَا فِي الْإِسْلَامِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ لَا الْمَالُ الَّذِي أَحْمِلُ عَلَيْهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا حَمَيْتُ عَلَيْهِمْ مِنْ بِلَادِهِمْ شِبْرًا.

ترجمہ: زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے آزاد کردہ غلام، جس کا نام ھُنَیّ تھا، کو سرکاری چراگاہ پر مقرر کیا تو آپ نے فرمایا کہ اے ھنیی، لوگوں کو اپنے بازو سے بچا کے رکھیو اور مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہیو کیونکہ مظلوم کی دعا خدا کے ہاں مقبول ہے۔ چھوٹے گلے والوں اور بکریوں کے چھوٹے ریوڑ والوں کو ضرور داخل ہونے دینا البتہ ابن عفان اور ابن عوف کے گلے آئیں تو ان کو روکنا کیونکہ اگر ان کے مواشی ہلاک ہو گئے تو وہ مدینہ میں اپنے کھیتوں اور اپنے کھجور کے باغوں میں آجائیں گے اور اگر چھوٹے گلے اور چھوٹے ریوڑ والے کا مال ہلاک ہو گیا تو وہ اپنے بچوں کے ساتھ میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے امیر المومنین! اے امیر المومنین! تو کیا میں ان کو چھوڑ دوں گا؟ خدا کے بندے! سوچو تو سہی۔ پانی اور چارہ مہیا کرنا میرے لیے زیادہ سہل ہے بمقابلہ اس

کے کہ میں ان کے اوپر سونا اور چاندی خرچ کروں۔ خدا کی قسم! وہ خیال کریں گے کہ میں نے ان کے اوپر ظلم ڈھایا ہے۔ یاد رکھو کہ یہ ملک ان کا ہے۔ چشمے ان کے ہیں۔ اس کے اوپر جاہلیت کے دور میں انہوں نے جنگیں لڑی ہیں اور اس کے اوپر ہی وہ اسلام لائے ہیں۔ اس خدا کی قسم جس کی مٹھی میں میری جان ہے کہ اگر ان جانوروں کی ضرورت نہ ہوتی جن کے اوپر میں لوگوں کو اللہ کے راستے میں سوار کراؤں تو میں ان کی زمین میں سے ایک بالشت برابر بھی چراگاہ نہ بناتا۔

وضاحت: الحمیٰ سے مراد وہ سرکاری چراگاہیں ہیں جو حکومت نے جگہ جگہ صدقہ کے جانوروں کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لیے بنا رکھی تھیں۔

'صُرَیمۃ' سے مطلب اونٹوں کا چھوٹا گلہ اور غُنَیمۃ سے مراد بکریوں کا چھوٹا ریوڑ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہزاروں گھوڑے، اونٹ اور گائے صدقے کے تھے جنہیں ان چراگاہوں میں رکھا گیا تھا، اور ان کے اوپر ان کی دیکھ بھال کے لیے آدمی مقرر تھے۔ ایک روز آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام کو جسے سرکاری چراگاہ پر مقرر کیا تھا بلا کر تلقین کی کہ اپنے ہاتھ کو لوگوں پر ظلم کرنے سے روک کر رکھے کیونکہ مظلوم کی دعا اللہ تعالیٰ کے ہاں فوراً سنی جاتی ہے۔ انہوں نے ہدایت فرمائی کہ چھوٹے گلہ والے یعنی غرباء اگر اپنے گلے لائیں تو ان کو چراگاہوں سے نہ روکا جائے کیونکہ ان ہی نے اپنی زمینوں کے لیے جاہلیت کے زمانے میں جنگیں لڑی ہیں اور ان ہی زمینوں کے اوپر وہ اسلام لائے ہیں تو میں کس طریقہ سے ان کے پانی اور ان کے چارے کو روک سکتا ہوں۔ البتہ جو لوگ رئیس ہیں اگر ان کے گلے آئیں تو ان کو تم روک سکتے ہو۔ جنگیں تو ان رئیسوں نے بھی لڑی ہیں مگر ان کے پاس متبادل وسائل کھیت اور باغ کی شکل میں موجود ہیں۔ ان کے لیے مویشیوں کی دیکھ بھال مشکل نہیں۔ اگر ان کا مال ہلاک ہو جائے تو وہ اس نقصان کو برداشت کر لیں گے اور وہ مدینہ میں اپنے کھیتوں اور باغوں میں آجائیں گے۔

اللہ کے راستے میں سوار کرانے سے مراد وہ اونٹ اور گھوڑے ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے مجاہدین کو مہیا کیے جاتے تھے۔

(ترتیب: سعید احمد)

خالد مسعود

مکہ اور مدینہ میں منافقین کا کردار

رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں جس طرح مشرکین اور یہود حیثیت گروہ ایک جزو لاینفک بن کر سامنے آتے ہیں اسی طرح منافقین کا عمل دخل بھی آپ کے احوال کے ساتھ اس قدر پیوست ہے کہ اس گروہ کی کارستانیوں کا جائزہ لیے بغیر آپ کا کوئی تذکرہ مکمل نہیں ہوتا۔ یہ منافقین ظاہری طور پر آنحضرتؐ کے لائے ہوئے حق کا ساتھ دینے والے لوگ تھے لیکن عملاً یہ اس حق سے بے پروا، اس کے تقاضوں سے بچ بچ کے رہنے والے، حقیقی مومنین اور خود رسول اللہ ﷺ کے لیے مصیبتیں کھڑی کرنے والے تھے۔ مسلمانوں کو ان کی معیت ضرور حاصل تھی لیکن ان کے مخصوص کردار کے باعث ان کی رفاقت و حمایت پر تکیہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حضور ﷺ کی زندگی میں ان منافقین کے کردار کو زیادہ تفصیل سے جاننے کی ضرورت ہے۔

ا۔ مکی دور کے منافقین

پیغمبر کی دعوت کا جب چرچا ہوتا ہے تو اس کے اولین مخاطبوں کے علاوہ عوام الناس میں بھی اس کی بات سننے کا اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے۔ جو لوگ پہلے سے حق کے متلاشی رہے ہوتے ہیں ان کے لیے پیغمبر کی دعوت اجنبی نہیں ہوتی۔ وہ اس کو اپنے دل کی آواز سمجھتے، اس کو لپک کر قبول کرتے اور پھر ہر قیمت پر اس دولت کا تحفظ کرتے ہیں۔ عقلیت پسند لوگ اس کے دلائل پر غور کرتے، پیغمبر کے ماضی و حال کا مطالعہ کرتے اور اس کو قبول کرنے کے نتائج و عواقب پر سوچ بچار کر کے کوئی فیصلہ کرتے ہیں، اور جب فیصلہ کر لیتے ہیں تو وہ اس پر قائم رہنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہوتی ہے جو کسی خارجی اثر کے تحت پیغمبر کے قریب تو آجاتے ہیں لیکن یہ بات پوری طرح ان کے علم میں نہیں ہوتی کہ اس کے پیغام کو قبول کر لینے کے تقاضے کیا ہوں گے، آگے چل کر حالات کیا رخ اختیار کریں گے، معاشرہ حق کی دعوت کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں، اور جو لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں ان

کو کن احوال سے گزرنا پڑے گا۔ لہٰذا وہ پہلے سے اندازہ نہیں کر سکتے کہ اسلام قبول کرنے کے نتائج کیا ہوں گے۔

نبی ﷺ کی دعوت جب مکہ میں پھیلی تو بہت سے نوجوان اس سے متاثر ہوئے۔ نوجوانوں میں تہور ہوتا ہے اور وہ معاملہ کے پیش و عقب کو سمجھے بغیر جس راہ کو اختیار کرنا چاہتے ہیں، اختیار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ قریش کے بہت سے نوجوان دعوت کے ابتدائی سالوں میں مسلمان ہو گئے۔ ان کے بڑوں نے ان کے قبول اسلام کو دین آبائی کے لیے خطرہ محسوس کیا اور ان کو واپس لانے کے لیے تدبیریں کرنے لگے۔ وہ ان کو سمجھاتے کہ اس نئے دین کو چھوڑو۔ ایسا کرنے کا تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا، تمام گناہ و ثواب ہماری گردن پر ہوگا۔ جب وہ اس طرح کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آتے تو بڑے اپنی اولادوں کو اذیتیں دیتے اور زدوکوب کرتے۔ حضرت عثمان غنیؓ اگرچہ شادی شدہ اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہو چکے تھے اس کے باوجود ان کا چچا ان کو بے حد اذیتیں دیتا۔ جب نوجوانوں کو اس صورت حال سے گزرنا پڑتا تو خام ذہن کے لوگوں میں شبہات پیدا ہونے لگتے کہ جب ہم نے اللہ کا سیدھا راستہ اختیار کیا ہے تو اس پر چلنا دشوار کیوں ہے؟ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا اتنا جان جوکھم کا کام کیوں ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ سوالات راہ حق کے تقاضوں سے بے خبری کے باعث پیدا ہوتے تھے۔ لہٰذا قرآن نے بڑی وضاحت سے ان کو بتایا کہ ہمیشہ سے اللہ کی سنت یہ رہی ہے کہ اس نے اپنے نام لیواؤں کو آزمائشوں میں ڈال کر ان کا امتحان کیا ہے۔ بلاشبہ وہ دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے لیکن حقیقی مومنین اور جھوٹے نام لیواؤں میں امتیاز کرنے کے لیے وہ ان کو آزمائشوں کی بھٹی میں سے گزارتا ہے اور یہ اس کے عدل کا تقاضا ہے۔ جو لوگ انسانوں کو پہنچائی ہوئی اذیت سے اس طرح گھبرا اٹھتے ہیں جس طرح خدا کے عذاب سے ڈرنا اور گھبرانا چاہیے تو انہیں جاننا چاہیے کہ دنیا کا دکھ چند روزہ ہے اور اگر امتحان سے گھبرا کر یہ اپنے دین اور اللہ واحد کی عبادت سے دستبردار ہو جائیں گے تو خدا کی پکڑ ابدی ہوگی۔ اگر بعض لوگ مکہ کی سرزمین کو تنگ محسوس کرتے ہیں تو ان پر واضح ہونا چاہیے کہ خدا کی زمین بڑی وسیع ہے۔ اور اگر اس کی خاطر وہ اپنے گھروں کو چھوڑ دیں گے اور اپنے ایمان کی حفاظت کریں گے تو خدا ان کی کل ذمہ داری اٹھائے گا، انہیں جائے پناہ فراہم کرے گا اور رزق بہم پہنچائے گا۔ کیا وہ دیکھتے نہیں کہ کتنے جاندار، چرند، پرند، ایسے ہیں جو اپنے ساتھ اپنی روزی باندھے نہیں رکھتے، لیکن ان کا رب ان کو رزق بہم پہنچاتا ہے۔ لہٰذا وہ بھی اپنے

رب پر بھروسہ کریں کہ وہ ان کی مشکلیں حل فرما دے گا۔

قرآن مجید کی اسی ہدایت کی روشنی میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد، جن میں عورتیں اور مرد دونوں شامل تھے، حبشہ کو ہجرت کر گئی اور وہاں کا بادشاہ نجاشی ان کے لیے فرشتۂ رحمت ثابت ہوا جس نے قریش کے ظلم و ستم سے ان کو پورا پورا تحفظ فراہم کیا۔ تاہم جن لوگوں نے ہجرت نہ کی اور اسلام قبول کرنے کے باوجود انہوں نے مشرکین کے ساتھ بھی اپنے کو وابستہ رکھنا چاہا وہ بیک وقت دو کشتیوں کے سوار رہے۔ جس حد تک ان کے لیے مسلمانوں کی ہمنوائی مفید ہوتی وہ ان کا ساتھ دیتے۔ جونہی کوئی آزمائش پیش آتی وہیں لڑکھڑا جاتے اور خدا سے مایوس اور بدگمان ہو کر دوسروں کو مولیٰ و مرجع بنا لیتے۔ نبی ﷺ کی مکی زندگی میں انہی لوگوں کے رویہ میں نفاق کے آثار نظر آتے ہیں۔ تاہم بحیثیت مجموعی اس دور میں نفاق کا فتنہ پیدا نہیں ہوا اور اس کی وجہ مکہ کی پر محن زندگی تھی۔ قرآن مجید چونکہ لوگوں کے رویوں کے عواقب کی طرف بھی انگلی اٹھا دیتا ہے تاکہ لوگ اپنی اصلاح کر کے ایک بڑے اخلاقی مرض سے محفوظ رہ سکیں اس لیے مذکور نوجوانوں کے رویہ کے ذکر کے بعد فرمایا:

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِينَ (عنکبوت: ۱۱)

(اور اللہ ایمان والوں کو بھی ممیز کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی ممیز کر کے رہے گا)

ب۔ مدنی دور کے منافقین

ہجرت کے بعد مدینہ میں نبی ﷺ کو جن لوگوں سے واسطہ پڑا وہ مختلف ذہنوں کے حامل اور الگ الگ مسلک و مذہب رکھنے والے تھے۔ سب سے اہم اوس اور خزرج کے مشرک قبائل تھے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی کوششوں سے ان میں اسلام تیزی سے پھیلا اور اہم بات یہ ہوئی کہ دونوں قبائل کی لیڈرشپ مسلمان ہو گئی۔ اسلام کی تعلیمات اور نبی ﷺ کے ساتھ وابستگی کا ان پر یہ اثر ہوا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو مکہ کی اذیت ناک زندگی چھوڑ کر مدینہ آ جانے کی دعوت دے دی۔ اور نہ صرف دعوت دی بلکہ آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر اپنی جانیں قربان کرنے پر بھی آمادہ ہو گئے۔ قبائلی زندگی میں سرداروں کا عقیدہ و مسلک ان کی رعایا پر خاصا اثر انداز ہوتا ہے، چنانچہ ان قبائل کے عوام بھی نئے مذہب میں داخل ہو گئے۔ خارجی اثرات کے تحت مذہب تبدیل کرنے والوں میں نیا مذہب جلدی

گھر نہیں کرتا۔ وہ اس کے تقاضوں کو پوری جامعیت کے ساتھ نہیں سمجھ پاتے۔ نئے مذہب کے اصولوں کے تحت ان کی تربیت میں کافی وقت لگتا ہے اس لیے ان کی کمزوریاں مختلف اسلوبوں سے سامنے آتی رہتی ہیں۔ چونکہ ایسے لوگوں کی نیت میں فتور نہیں ہوتا اس لیے ان کا رویہ نفاق کی تعریف میں نہیں آتا بلکہ اسے کمزوری ایمان کہا جاسکتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا موجود رہا جس کے اندر ایمان کی کمزوری بار بار اپنا اظہار کرتی رہتی تھی جس سے دوسرے مسلمانوں کے لیے مسائل پیدا ہوتے۔

اوس و خزرج کے اندر ایک طبقہ یہودیت قبول کر چکا تھا۔ یہ لوگ نسلی یہودی نہ تھے (نسلی یہودی بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع تھے) لیکن یہودیت اختیار کر لینے کے بعد یہ نسلی یہودیوں ہی کے زیر اثر تھے کیونکہ ان کے علماء و فقہاء انہی قبائل میں تھے۔ اپنے قبائلی سرداروں کے تبدیل مذہب کے بعد قبیلے کے غالب مسلک و مذہب سے یہ لوگ اپنے آپ کو الگ نہ رکھ سکے اور بعض نے ضرور تاً بے دلی کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ چونکہ نبی ﷺ نے میثاق مدینہ کے ذریعے اوس و خزرج کے یہود کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت دے دی تھی اس لیے ان کی ایک تعداد نے یہودیت کو ترک نہ کیا، اور اپنی خاص حیثیت کی بدولت آنحضرت کی مجالس میں شریک ہوتے رہے۔ یہ لوگ اپنے روابط اور معاہدہ کی بنا پر اس مقصد کے لیے زیادہ موزوں تھے کہ آنحضرت ﷺ کی مجالس میں آئیں، مسلمانوں کے اندر گھل مل جائیں اور ان پر نفاق کے داؤں آزمائیں۔

آنحضرت ﷺ کے مکہ میں قیام کے دوران میں متعدد عرب قبائل میں آپ کی دعوت پہنچ چکی تھی اور بعض لوگوں کو قبول اسلام کی توفیق بھی ملی۔ مدینہ کو ہجرت کے بعد یہ ہدایت کر دی گئی کہ اسلام کی منتشر قوت کو مجتمع کیا جائے اور قبائل میں اکا دکا جو خاندان مسلمان ہو چکے ہیں وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ آجائیں۔ اس ہدایت پر عمل کرنا بعض لوگوں پر نہایت شاق گزرا۔ وہ اپنے خاندانی روابط اور اپنے مال و منال سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔ جبکہ بعض دوسرے لوگ خواہش کے باوجود ہجرت پر قادر نہ تھے کیونکہ ان کے اہل قبیلہ نے ان کو ظلم و ستم کا نشانہ بنا رکھا تھا اور ان کے نکلنے کی راہیں مسدود کر دی تھیں۔ ان دونوں قسم کے لوگوں کا معاملہ الگ الگ تھا لیکن ان کے بارے میں پالیسی کا واضح ہونا ضروری تھا۔

جب مدینہ میں اسلام کے قدم جم گئے اور اس کو ایک سیاسی قوت تسلیم کر لیا گیا تو اطراف

مدینہ کے بدوی قبائل نے بھی مستقبل کی پیش بندی کے لیے اسلام کے ساتھ وابستہ ہونا اپنے لیے مفید سمجھا۔ چنانچہ یہ لوگ وقتاً فوقتاً نبی ﷺ کے ساتھ وفاداری کا اظہار کرتے لیکن جب کوئی مشکل مرحلہ آتا تو اس وقت منظر سے غائب ہونے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ اہم مواقع پر ان کی بے وفائی دیکھنے میں آئی اور قرآن نے ان کو کٹر منافق قرار دیا۔

جہاں تک مدینہ کے نسلی یہود قبائل کا تعلق ہے تو وہ اپنے مذہب سے دستبردار ہو کر اسلام میں داخل نہ ہونے کی پالیسی پر کاربند رہے۔ انہوں نے نبی ﷺ کو اپنا سب سے بڑا حریف سمجھا اور اس کانٹے کو اپنے درمیان سے نکلنے کے لیے کوشاں رہے۔ انہوں نے قریش اور دوسرے مشرک قبائل، نیز یہودی افراد کو ساتھ ملا کر ہر ممکن سازباز کی تاکہ وہ اپنے حریف کو شکست دے سکیں۔ مدینہ کے اندر بھی انہوں نے اپنے ایجنٹ تلاش کر لیے تاکہ نبی ﷺ کو زک پہنچا سکیں اور اسلام کے پودے کو برگ و بار لانے کا موقع نہ مل سکے۔

اس صورت حال میں مدنی دور میں نفاق کے طرح طرح کے مظاہرے دیکھنے میں آئے اور منافقین کی کئی جماعتیں اپنے اپنے انداز میں مصروف کار تھیں۔ نبی ﷺ کو بالخصوص اور جمہور مسلمانوں کو بالعموم ان کی سازشوں اور حرکتوں سے عہدہ برا ہونا پڑا۔

(i) کمزور ایمان کے لوگ :

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا نیت کے لحاظ سے یہ لوگ حقیقی مسلمان تھے لیکن حالات یا معاشرہ کے دباؤ کا مقابلہ قوت ایمانی سے نہ کر سکتے۔ کردار کی یہ کمزوری اس وقت ظاہر ہوتی جب انہیں مالی مفاد محفوظ ہوتا یا جان و مال کی قربانی کا مطالبہ سامنے آتا۔ مدینہ کی زندگی پر سکون تو تھی نہیں، ہر وقت قریش کے حملہ کا دھڑکا لگا رہتا یا پڑوس کے یہود کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا کر دیتے۔ لہٰذا جان و مال کی قربانی کے مطالبہ کے مواقع بکثرت پیش آتے۔ یہ چیز ان لوگوں کے لیے سخت باعث تشویش ہوتی اور وہ ضعف ایمانی کا مظاہرہ کرتے۔

غزوہ بدر کے لیے روانہ ہونے سے پہلے نبی ﷺ نے یہ خبر دی کہ دشمن کے دو گروہ ہیں، ایک مسلح جس کا مقصد مسلمانوں کے ساتھ جنگ ہے، دوسرا غیر مسلح جو شام سے مال تجارت لا رہا ہے،

اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے کہ وہ ان میں سے ایک گروہ کو تمہارے ہاتھوں میں کر دے گا۔ پھر آپ نے استفسار کیا کہ ہم ان دونوں گروہوں میں سے کس کا رخ کریں۔ مذکورہ بالا لوگ نبی ﷺ سے ہٹ کر کے آپ کو غیر مسلح گروہ پر حملہ کے فوائد سمجھانے لگے۔ اور جب حضور نے اپنا فیصلہ سنایا کہ مسلح لشکر سے مقابلہ کرنا ہے تو یہ فیصلہ ان لوگوں پر سخت ناگوار گزرا۔ غزوہ بدر کے خاتمہ پر مال غنیمت کی تقسیم پر اعتراض ایسے ہی لوگوں نے اٹھایا۔ ان کا خیال تھا کہ جتنا کچھ مال کسی شخص کے قبضہ میں آ چکا ہے وہ اس کا ہے، اگرچہ وہ لوگ جو میدان جنگ سے ہٹ کر فرائض سنبھالے ہوئے تھے وہ اس سے محروم رہیں۔ اس صورت حال میں لشکر میں کشیدگی کی فضا پیدا ہو گئی اور وحی آسمانی کی روشنی میں مال غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ حل ہوا۔

جنگ احد کے موقع پر شہر کے اندر رہ کر قریش کا مقابلہ کرنے کی خواہش اسی ضعف ایمانی کا نتیجہ تھی۔ اس اہم موقع پر بنو سلمہ اور بنو حارثہ دو قبائل میدان چھوڑنے پر بھی آمادہ ہو گئے۔ جنگ احد کے پہلے مرحلہ میں جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو ان لوگوں سے کمزوری ظاہر ہوئی جن کو نبی ﷺ نے ٹیلے پر مقرر فرمایا اور یہ ہدایت دی تھی کہ وہ کسی قیمت پر اس کو خالی نہ چھوڑیں۔ کچھ لوگوں نے یہ دیکھتے ہوئے کہ میدان جنگ میں تو مال غنیمت سمیٹا جا رہا ہے اور ہم یہاں بیٹھے محض اس کا نظارہ کر رہے ہیں، نبی ﷺ کی ہدایت سے صرف نظر کر کے ٹیلے کو خالی چھوڑ دیا اور میدان میں جا پہنچے۔ اس صورت حال سے دشمن نے فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔ جنگ کے دوسرے مرحلہ میں ایسے ہی لوگ میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ نبی ﷺ خود آوازیں دے رہے تھے مگر حواس باختہ ہو کر انھوں نے آپ کی آواز بھی نہ سنی۔ جنگ کے بعد یہ اس حادثہ سے اتنے دل شکستہ ہو گئے کہ ان کی تربیت کی خاطر قرآن مجید میں فتح و شکست کے فلسفہ پر آیات نازل ہوئیں۔

نبی ﷺ نے جب عمرہ کرنے کا عزم فرمایا اور تمام مسلمانوں کو ساتھ چلنے کی ہدایت فرمائی تو ضعف ایمان کی بیماری میں مبتلا لوگوں نے اس خوف میں حضور کا ساتھ نہ دیا کہ مکہ جانا اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ انہی لوگوں نے غزوہ تبوک کے لیے گھروں سے نکلنے میں کوتاہی کی۔

یہ لوگ دشمنوں کے پروپیگنڈا سے بھی نہایت آسانی سے متاثر ہو جاتے اور انہی کی بولی بولنے لگ جاتے۔ واقعہ افک پیش آیا تو حقیقی منافقین نے تو اسے ہوا دی ہی تھی، یہ سادہ لوح مسلمان بھی انہی

کی طرح بے پر کی اڑانے لگے۔ ان لوگوں نے اہل کتاب کے ساتھ تعلقات اور دوستیاں نبھانے میں بھی کوئی قباحت نہیں سمجھی۔ قرآن مجید نے انھیں خبردار کیا کہ اہل کتاب کی باتوں میں آگئے تو یہ تم کو جاہلیت کے اس گڑھے میں گرا کر رہیں گے جس سے نکل کر تم ایمان و اسلام کی روشنی میں آئے ہو۔ تم ان سے وفاداری کا معاملہ کرتے ہو اور وہ تمہارے لیے زحمتوں کے آرزومند ہیں۔

ان لوگوں پر انفاق فی سبیل اللہ بھی بے حد گراں تھا۔ یہ خرچ کرنے سے کتراتے۔ قرآن نے ان کو متوجہ کیا کہ فتح مکہ سے قبل انفاق اور جہاد کر کے یہ سابقون اولون کی صف میں آ سکتے ہیں۔ اگر یہ تذبذب کا شکار رہے تو فتح مکہ کے بعد اگر یہ خرچ کریں گے بھی، تو اس کی وہ قدر و قیمت نہیں ہوگی جو فتح مکہ سے پہلے خرچ کرنے کی ہے۔

ضعف ایمان اور ضعف ارادہ میں مبتلا ان مسلمانوں سے کہا گیا کہ جب تم رسول اللہ ﷺ سے سمعنا واطعنا کا عہد کر چکے ہو تو اس عہد کے تقاضوں کو بھی پورا کرو۔ ان میں سب سے اہم تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم نازل ہو اور رسول اللہ ﷺ جس بات کی دعوت دیں اس پر آمنا و صدقنا کہتے ہوئے عمل کرو۔ تمہارے قدم جادۂ مستقیم پر استوار رہنے چاہئیں۔ اللہ کی جو آیات سنائی جا رہی ہیں ان کو حرز جاں بناؤ اور تمام مخالفتوں کے علی الرغم ان پر قائم رہو۔ ایمان کا تقاضا یہ بھی ہے کہ خدا کی مدد و نصرت پر اور اس کی کارسازی پر پورا پورا بھروسا رکھو۔ خدا کی جنت میں جانے کے لیے امتحانوں میں سے گزرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ انہی امتحانوں کے ذریعے لوگوں کی وفاداری کو جانچتا، پرکھتا اور ان کی اعلیٰ صلاحیتوں کو ابھارتا ہے۔

(ii) مذبذب مسلمان :

مدینہ میں نبی ﷺ کی آمد کے ساتھ ہی نفاق کا بیج بویا گیا تھا۔ ہوا یہ کہ اوس اور خزرج کے قبائل کے درمیان طویل خونریزی کے بعد ان میں جب یہ احساس پیدا ہوا کہ دونوں قبائل بے مقصد جنگ میں نقصان پہ نقصان اٹھا رہے ہیں تو کیوں نہ صلح و آشتی کی فضا پیدا کریں۔ اس کے لیے ضروری ہوا کہ دونوں قبیلے کسی ایک شخصیت پر اعتماد کریں، اس کو اپنا سربراہ تسلیم کر لیں اور اس کی رہنمائی میں کامل یک جہتی کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ جس شخصیت پر دونوں قبیلوں نے اتفاق کیا وہ عبداللہ بن ابی بن

سلول کی شخصیت تھی جس کا تعلق بنو الحبلی سے تھا۔ اس کا ایک اہم ساتھی قبیلہ اوس کا ابو عامر عبد عمرو بن صیفی تھا جو قبیلہ میں اپنی درویشی اور زہد کی بنا پر شہرت رکھتا تھا اور لوگ اس کے بڑے عقیدت مند تھے۔ عبد اللہ بن ابی کو سربراہ بنانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ اوس و خزرج کے بہتر آدمی ایام حج میں مسلمان ہو گئے اور نبی ﷺ کو اپنا سربراہ مان کر مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی کوششوں کے نتیجہ میں دیگر کئی گھرانے بھی مسلمان ہو گئے اور یہ تبدیلی اتنی تیزی سے آئی کہ عبد اللہ بن ابی کی سربراہی کا معاملہ سرد خانے میں چلا گیا جس کا اسے بے حد قلق ہوا۔ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ابو عامر تو اپنے قبیلہ سے ناراض ہو کر اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ مکہ چلا گیا لیکن عبد اللہ بن ابی حالات کا مطالعہ کرتا رہا۔ اس نے جب دیکھا کہ یہاں اب اس کی دال گلنے والی نہیں ہے تو بادل ناخواستہ مسلمان ہو گیا۔ جو قلق اسے تھا اس کے باعث وہ دل سے نبی ﷺ سے عناد رکھتا اور ہر اہم موقع پر نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہا۔ اپنی متاثر کن شخصیت کی بدولت ایک بڑی تعداد اس کی رایوں پر بعد میں بھی اعتماد کرتی رہی اور وہ ان کے اندر بھی نفاق کے بیج بوتا رہا۔ ابو عامر کی تمام تر دلچسپی مشرکین مکہ کے ساتھ ہو گئی اور وہ مسلمانوں کے خلاف ان کو سرگرم رکھنے کا ذریعہ بنا۔ جب مسلمان کامیاب ہو کر مکہ کے دروازوں پر دستک دینے لگے تو ابو عامر بھاگ کر شام چلا گیا۔

عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے پیش نظر ہر معاملہ میں اپنا مفاد ہوتا، مسلمانوں کے اجتماعی مفادات کو انھوں نے کبھی اہمیت نہ دی۔ ذاتی مصالح کو یہ اپنی سعی و تدبیر پر منحصر سمجھتے۔ اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کرنا اور ان کے سہارے جینا ایک خطرناک کام سمجھتے۔ اسی لیے تمام اجتماعی معاملات میں یہ اسی حد تک دلچسپی لیتے جس حد تک مسلمانوں پر اعتبار قائم رکھنے کے لیے ضروری ہوتا۔ اجتماعی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرنا گویا ان کی سرشت میں داخل تھا۔ جنگ احد میں ان لوگوں نے پورا زور لگایا کہ دشمن سے مدینہ کے اندر رہ کر لڑنے کا فیصلہ ہو تاکہ یہ اپنے گھروں میں دبکے رہیں اور کھلے میدان میں دشمن کا سامنا کر کے اپنی جان خطرے میں نہ ڈالیں۔ جب آنحضرتؐ نے میدان احد میں مقابلہ کا فیصلہ کر دیا تو عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ہمراہ لشکر سے الگ ہو گیا کہ جب ہماری بات مانی نہیں گئی تو ہم آپ لوگوں کا ساتھ کیوں دیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنو سلمہ اور بنو حارثہ نے جنگ سے علیحدہ رہنے کا جو فیصلہ کیا تھا تو ان کے قدم ڈگمگانے میں بھی عبد اللہ بن ابی کے ساتھیوں کا ہاتھ رہا ہو گا۔ اس

جنگ کے دوسرے مرحلہ میں مسلمانوں کا نقصان ہوا تو اس کی خبر سن کر انھوں نے نہایت خطرناک پروپیگنڈا مہم چلائی۔ انھوں نے یہ خیال پھیلایا کہ ہم صورت حال کو سمجھنے والے لوگ تھے لیکن ہمارے مشورہ کی قدر نہ کی گئی۔ اول تو یہ لڑائی ہونے والی نہیں تھی۔ اگر فی الواقع اس کے آثار و شواہد موجود ہوتے تو بھلا ہم کب میدان سے پیچھے رہنے والے تھے۔ اگر جنگ کی نوبت آ ہی گئی تھی تو لوگوں کو مرنے سے بچایا جا سکتا تھا۔ اصل میں ہوا یہ ہے کہ ہم مدینہ والوں نے ایک شخص پر اندھا اعتماد کر لیا۔ اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنے تمام معاملات اس کے سپرد کر دیے۔ لیکن اس نے ہمارے اعتماد سے بالکل غلط فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ شخص ہمارا خیر خواہ نہیں بلکہ اپنی امنگوں کے لیے ہمارے جان و مال کو قربان کرنے کے درپے ہے۔ اس کی بے تدبیری سے لوگوں کا نقصان ہوا۔ اس نے خدا کی مدد نازل ہونے کا اعلان کیا جو محض دھونس کے لیے تھا۔ میدان جنگ میں تو یہ نصرت کہیں نظر نہیں آئی۔ اسی طرح اسلام کے غلبہ کی جو خبر دی جاتی ہے اس کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔ احد کی جنگ نے ثابت کر دیا ہے کہ قریش اگر ذرا سی قوت مزید فراہم کر لیں تو اس دین کو شکست دے سکتے ہیں۔ یہ منافقین اسلام کے مستقبل سے مایوس تھے اور لوگوں کو بھی مایوس کرنے میں سرگرم تھے۔ ان کی بنیادی کمزوری ان کا تذبذب تھا۔ اس لیے یہ مسلمان کا ساتھ تو اس لیے دے رہے تھے کہ حالات کا تقاضا یہ تھا لیکن انھیں یقین نہیں تھا کہ یہ سچا دین کامیابی کی منزل بھی طے کر سکے گا اس لیے یہ لوگ ایسے کام کرتے جس سے مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ بھی رابطہ قائم رکھ سکیں۔

بنو نضیر کی اسلام کے خلاف سازشوں کے سدباب کے لیے نبی ﷺ نے ان کے قلعہ پر چڑھائی اور دشمن کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے لیے بیچ میں حائل کھجور کے کچھ درخت کٹوا دیے تو منافقین نے اس کارروائی پر اعتراض کیا۔ پھر جب ان کی جلاوطنی کا فیصلہ ہوا اور ان کی جائدادیں بیت المال کا حق قرار دی گئیں تو ان لوگوں نے پھر سوال اٹھایا کہ ان کو مال غنیمت قرار دے کر تقسیم کیوں نہیں کیا گیا۔ نسلی یہودیوں میں سے اس مرحلہ پر صرف بنو قریظہ باقی رہ گئے تھے۔ منافقین نے ان کی پیٹھ ٹھونکنی شروع کی کہ وہ ہرگز ہراساں ہوں اور نہ بے حوصلہ ہوں۔ انھوں نے کہا کہ ہم آپ لوگوں کے ساتھ ہرگز وہ سلوک نہیں ہونے دیں گے جو بنو نضیر یا بنو قینقاع کے ساتھ ہوا۔ تمھارے بارے میں ہم اس طرح کی ہر بات سننے سے انکار کر دیں گے اور اگر جنگ کی نوبت آ ہی گئی تو ہم تمھارے شانہ بشانہ

مسلمانوں سے لڑیں گے۔ قرآن مجید نے ان کے اس کردار کو شیطان کے کردار کے مماثل قرار دیا جو لوگوں کو حق کی مخالفت پر اکساتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ حالات اس کے مقصد کے لیے سازگار نہیں تو موقع سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ بزدل اور جھوٹے ہیں۔ وقت آنے پر یہ کچھ نہیں کر پائیں گے۔

غزوہ احزاب میں منافقین نے ففتھ کالم کا کردار ادا کیا۔ انھوں نے مسلمانوں میں یہ بات بڑے شدومد کے ساتھ پھیلائی کہ اللہ اور رسول کے تمام وعدے فریب ثابت ہوئے ہیں۔ دشمن کے دل بادل فوج کے بالمقابل مسلمانوں کی نفری کا ٹک سکنا محال ہے۔ دیر سویر انھیں شکست تسلیم کرنا ہوگی۔ ہتھیار ڈال کر اگر گھروں کو لوٹ جائیں تو شاید دشمن کچھ نرم معاملہ کرے۔ ان میں سے بعض لوگ حیلے بہانوں سے گھر جانے کی اجازت طلب کر لیتے۔ جب تک محاذ پر ہوتے دفاع سے گریز کی راہیں اختیار کرتے اور دوسروں کو بھی جان چرانے کی تلقین کرتے۔ جب معاملہ جنگی کارروائی میں کوئی کردار ادا کرنے کا ہوتا تو یہ لوگ اپنی چرب زبانی سے لوگوں کو اپنی شجاعت اور سر فروشی کا قائل کرنے کی کوشش کرتے جبکہ حقیقی خطرہ کی صورت میں ان پر موت کی غشی طاری ہونے لگتی۔

غزوہ بنی مصطلق میں پانی کے مسئلہ پر ایک مہاجر اور ایک انصاری میں تکرار شروع ہو گئی تو مہاجر نے انصاری کو تھپڑ لگا دیا۔ اس پر اس نے انصار کو مدد کے لیے پکارا تو عبداللہ بن ابی کا تمام خبث باطن زبان پر آ گیا جسے قرآن نے بھی نقل کیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ جو لوگ ہجرت کر کے مدینہ آ رہے ہیں تو ان کی مالی امداد بند کرو۔ اس طرح یہ لوگ از خود یہاں سے بھاگ کھڑے ہوں گے اور اہل مدینہ کی جان ان سے چھوٹ جائے گی۔ اب یہ لوگ احسان ناشناسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سامنے آ گئے ہیں تو ہمیں مدینہ پہنچ کر ان لوگوں کو شہر سے نکالنے کی تدابیر کرنی ہوں گی کیونکہ ہم لوگ اس سرزمین کی اصل زور آور قوت ہیں۔ یہ لٹے پٹے کم حیثیت لوگ ہمارے سامنے نہیں ٹھہر سکیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی عائلی زندگی میں زہر گھولنے کی کوشش ان منافقین کی نہایت خطرناک کارروائی تھی۔ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے گھروں میں کوئی چیز مانگنے کے بہانے در آتے ہوئے چلے جاتے۔ کبھی حضورؐ نے بعض لوگوں کو دعوت میں بلایا ہوتا تو یہ لوگ بلاوے پر اور بن بلائے بھی وقت سے پہلے پہنچ کر کھانے کی تیاری کا انتظار کرتے۔ کھانے کے بعد گپوں میں مصروف ہو جاتے اور اٹھنے کا نام نہ

لیتے۔ مقصد یہ ہوتا کہ اسی بہانے ازواج مطہرات سے رابطہ کریں اور بعد میں منافقات کے ذریعے ان کے دلوں میں نبی ﷺ کے خلاف وسوسے ڈالیں۔ وہ ازواج کے اندر یہ سوچ بھی پیدا کرنے کی کوشش کرتے کہ وہ اونچے گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں لیکن یہاں ان کی زندگی تمام آسائشوں سے خالی بالکل فقیرانہ ہے۔ لہٰذا اگر نبیؐ ان کو چھوڑ دیں تو ایک سے ایک بڑا سردار ان سے نکاح کرنے پر تیار ہوگا۔ اور وہ اس کے ہاں ہر نعمت و راحت پا سکیں گی۔ اس طرح کی باتوں سے یہ منافقین ازواج مطہرات میں بے سکونی پیدا کرنا چاہتے۔ یہ چیزیں نبی ﷺ کی اذیت کا باعث ہوتیں۔ اس میں یہ خطرہ بھی مضمر تھا کہ اگر منافقین کو ایک کامیابی بھی حاصل ہو گئی تو یہ بات اللہ اور رسول کے لیے شر انگیزی کا دروازہ کھول دے گی۔

ان منافقین نے ازواج مطہرات اور مومنات کے خلاف افسانے گھڑ کر ان کا خوب چرچا کیا تاکہ مسلمانوں کی ساکھ خراب ہو۔ غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر حضرت عائشہ صدیقہؓ قافلے سے پیچھے رہ گئیں اور ایک صحابی نے اپنے اونٹ پر انھیں مدینہ پہنچایا تو منافقین نے ایک افسانہ گھڑ لیا اور ایک طویل مدت تک خاندان نبوت کو کرب و اذیت سے گزارا۔ حضور ﷺ کی لونڈی حضرت ماریہ قبطیہ کی رہائش گاہ مدینہ کے بالائی علاقہ میں تھی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں بھی افسانہ بنایا گیا۔ جس کے لیے نبی ﷺ کو تحقیقات کروانی پڑی۔ یہ رویہ رسول اللہ ﷺ کے متعلقین کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھا یہ لوگ عام مسلمان شریف زادیوں پر بھی آوازے کستے اور افواہیں پھیلا کر ان کی شہرت کو داغدار کرتے۔ ان کا مقصد معاشرہ میں اضطراب اور بے چینی پیدا کرنا ہوتا۔

منافقین چونکہ اسلام کے مستقبل کے بارے میں غیر مطمئن تھے اس لیے یہود کے ساتھ ان کی دوستیاں تھیں۔ یہ ان کو اپنا محرم راز بنا لیتے اور ان کی سازشوں میں بھی شریک ہو جاتے۔ ان کے رویہ پر جب گرفت کی جاتی تو جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنی بے گناہی کا یقین دلاتے۔ حقیقت میں یہ قسمیں وہ بطور ڈھال استعمال کرتے تاکہ سازشوں کے باوجود یہ اسلام کے مخلص سمجھے جاتے رہیں۔ جب انھیں توجہ دلائی جاتی کہ ان کی حرکتیں رسول اللہ ﷺ کے لیے اذیت ناک ہیں، انھیں حضورؐ کے پاس جا کر معافی مانگنی چاہیے اور استغفار کی دعا کی درخواست کرنی چاہیے تو یہ لوگ اعتراف جرم پر آمادہ نہ ہوتے بلکہ اکڑتے ہوئے سر مٹکاتے اور غرور کا اظہار کرتے ہوئے ایسے مشوروں کو در خور اعتناء نہ سمجھتے۔

(iii) ہجرت سے گریزاں لوگ :

منافقین کی ایک قسم وہ تھی جو بلا کسی معقول عذر کے محض اپنے رشتوں، قرابتوں یا املاک کی محبت میں ہجرت سے گریزاں رہے۔ قریش کی متوقع معاندانہ کارروائیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تمام مسلمانوں کو یکجا کرنے کا فیصلہ ہوا تاکہ وہ مجتمع قوت کے ساتھ اپنا دفاع کر سکیں تو ان لوگوں نے نبیؐ کے احکام پر کان نہیں دھرا اور ہجرت نہیں کی۔ ان منافقین کو گویا اسلام کو درپیش خطرات سے کوئی سروکار نہ تھا۔ دین کے اجتماعی مسائل سے الگ تھلگ رہ کر وہ آزمائشوں سے محفوظ رہنا چاہتے تھے۔ ان منافقین کے ساتھ تعلقات کا معاملہ خود مدینہ کے مسلمانوں میں اختلاف کا باعث بن گیا۔ کچھ لوگ ان کے لیے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے۔ وہ یہ توقع رکھتے تھے کہ ان کے منافیٔ اسلام رویہ سے قطع نظر ان سے معاشرتی تعلقات قائم رکھے جائیں تو بالآخر یہ لوگ اچھے مسلمان بن جائیں گے۔ دوسرے لوگ ان کے معاملہ میں سختی پر آمادہ تھے۔ قرآن مجید نے یہ رہنمائی دی کہ اگرچہ یہ منافقین اپنے کرتوتوں کے باعث اصلاح قبول کرنے والے نظر نہیں آتے، لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کا معاشرتی بائیکاٹ کیا جائے، تاہم مسلمانوں کو ان سے تعلق رکھنے کے بجائے ان کو اپنا دشمن اور دشمنوں کا ساتھی ہی سمجھنا چاہیے۔ ہاں اگر یہ اپنے ماحول سے ہجرت کر کے ان کے ساتھ آملتے ہیں تو یہ چیز ان کے اخلاص کی دلیل ہوگی اور یہی ان کے کھرے کھوٹے میں امتیاز کے لیے کسوٹی ٹھہرے گی۔

قبائل میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو مسلمان ہونے کے بعد اپنے قبائل کے اندر پھنس کر رہ گئے تھے۔ وہ ہجرت کے آرزومند تھے لیکن اہل قبیلہ نے ان کو دبا کر رکھا ہوا تھا۔ ان لوگوں کو خبردار کیا گیا کہ اگر اسی حالت میں ان کو موت آگئی تو ان کا یہ جواب اللہ کے ہاں معذرت کے لیے کافی نہ ہوگا کہ وہ زمین میں دبا لیے گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے۔ ہجرت کرنے سے ان کو اللہ تعالیٰ سہولت عطا فرمائے گا۔ اس عظیم عمل کا آغاز اور انجام دونوں ان کے لیے خیر ہی خیر ہوں گے۔ فرمایا کہ اگر یہ مسلمانوں سے طالب مدد ہوں تو ان کی مدد کی جائے تاہم معاہد قبائل کے اندر اگر ایسے لوگ موجود ہوں تو وہ مدد کے مستحق نہیں۔ ان کے ساتھ معاملہ معاہدہ کی شرائط کے اندر ہی ہو سکتا ہے۔ مکہ اور مکہ کے علاوہ دوسری بستیوں میں جو لوگ مسلمان ہو کر اپنے کافر سرپرستوں یا قبیلے کے ظالموں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے اور فی الواقع بے بس تھے اور ان کی مدد میں کوئی معاہدہ آڑے

نہیں آتا تھا تو ان کو مصیبت سے نکالنے کے لیے مسلمانوں کو جہاد پر ابھارا اور بتایا کہ ان کی مدد کے لیے نہ اٹھنا اور ان کو ظالموں کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا بھی نفاق ہے۔

(iv) دیہاتی منافق

مدینہ کے گردونواح کے بعض دیہاتی صرف اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کے خوف سے مسلمان ہوئے تھے لیکن انھیں نہ اسلام کی سربلندی کا یقین تھا نہ نبی ﷺ کی بشارتوں پر اعتماد۔ اسلام کے حلال و حرام کے بارے میں مطلع رہنے کا بھی وہ اہتمام نہ کرتے۔ زکوٰۃ و صدقات اور اسلام کے مالی مطالبات کو اپنے لیے ایک تاوان سمجھتے اور ہر جنگ کے موقع پر توقع رکھتے کہ اسلام کا کانٹا نکل جائے گا۔ جنگوں میں شریک تو ہو جاتے لیکن اپنا سارا زور کمزور مسلمانوں کو ہراساں کرنے اور ان کی حوصلہ شکنی کرنے پر صرف کرتے۔ یہ لوگ نہایت بہانہ ساز بھی تھے۔ جھوٹ بول کر گھر بیٹھ رہنے کی تدبیر کرتے۔ اجتماعی مسائل میں ہدایات دینے کے لیے جب ان کو بلایا جاتا تو حاضر ہو کر چپکے سے کھسک جاتے تاکہ کوئی ذمہ داری ان پر نہ پڑے۔

جنگ احزاب میں یہ شریک ضرور ہوئے لیکن مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے برابر یہ پروپگنڈا کرتے رہے کہ مدینہ والو، دشمن کے مقابلہ میں ٹک سکنا تمہارے بس میں نہیں۔ یہ محاذ آرائی بے سود ہے۔ اب بھی گھروں کو لوٹ چلو تو اسی میں تمہارا فائدہ ہے۔ جب محاذ کچھ گرم ہو جاتا تو یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس اجازت طلب کرنے کے لیے پہنچ جاتے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ کوئی مرد وہاں نگرانی کے لیے موجود نہیں۔ ہمارا جانا از بس ضروری ہے۔ یہ بات محض جھوٹ اور محاذ جنگ سے فرار کا بہانہ ہوتی۔ یہ لوگ پہلے بھی ہر خطرہ کے موقع پر پسپائی اختیار کرتے رہے اور جب ان کا محاسبہ ہوتا تو عدہ کرتے کہ آئندہ جنگ کی صورت میں پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔ انھیں یہ خیال بھی نہ آتا کہ خدا کے ہاں ہر وعدہ کی مسئولیت ہوگی۔ انھیں توقع ہوتی کہ حضورؐ ان کو پورا پورا احترام دیں۔ یہ اپنی آمد کی اطلاع کریں تو فی الفور اپنے تمام کام چھوڑ کر ان سے ملاقات کے لیے موجود ہوا کریں۔ قرآن مجید میں یہ حقیقت ان پر واضح کرنا پڑی کہ اسلام قبول کر کے کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول پر احسان نہیں کرتا۔ یہ تو اس شخص پر اللہ کا احسان ہوتا ہے کہ اس کو اسلام لا کر فلاح کا راستہ اختیار کرنے کی توفیق ملی۔ لہٰذا یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے مرتبہ کو پہچانیں اور اسلام کی توفیق ملنے پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ (جاری ہے)

محبوب سبحانی

قیامت کے بارے میں اشکالات

جزاو سزا کے منکرین کو قیامت کے معاملہ میں بڑے اشکالات پیش آئے ہیں۔ ایک یہ کہ جسموں کے گل سڑ جانے اور مٹی میں مل جانے کے بعد کون ان کو دوبارہ جمع کر کے اٹھانے پر قادر ہو سکتا ہے۔ دوسرا یہ کہ آخر اتنی محکم کائنات کا نظام کس طرح آناً فاناً بگڑ سکتا ہے، جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ آدم سے لے کر قیام قیامت تک کے اربوں انسانوں کے اعمال کا حساب کرنا کس کے بس میں ہے۔ چوتھا یہ کہ اگر قیامت کا آنا یقینی ہے تو وہ اب تک کہاں لنگر انداز ہے، آ کیوں نہیں جاتی۔ اب ہم ان اشکالات پر غور کرتے ہیں :۔

۱۔ قیامت کا آنا مستبعد نہیں :

جزاو سزا کے منکرین کو قیامت کے معاملہ میں یہ جو مغالطہ پیش آیا ہے کہ جب ہم مٹی میں مل کر گل سڑ جائیں گے اور ہڈیاں ان جائیں گے تو از سر نو ہم زندہ کر کے کیسے اٹھائے جائیں گے، اور ہمارے آباء واجداد بھی جو مدتوں پہلے خاک میں مل چکے ہیں کیسے دوبارہ زندہ کیے جائیں گے، تو بادی النظر میں یہ اعتراض نہایت وزنی نظر آتا ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ دنیا میں موت اور زندگی کا عمل ہر آن جاری ہے اور ہمارے روز مرہ مشاہدہ میں آتا ہے۔ زمین مردہ ہو جاتی ہے، درختوں کے پتے سوکھ کر جھڑ جاتے ہیں، روئیدگی ختم ہو جاتی ہے، باغ و چمن اجڑ جاتے ہیں لیکن بارش ہوتی ہے تو مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے، درختوں پر پتے نکل آتے ہیں، پھول مسکراتے ہیں اور پھلوں کے خوشے لٹکنے لگتے ہیں، باغ و چمن سر سبز و شاداب ہو جاتے ہیں، فصلیں لہلہا اٹھتی ہیں۔ اسی طرح دن کو سورج پوری آب و تاب سے چمکتا ہے لیکن رات کو بے نور ہو جاتا ہے اور اس پر مردنی چھا جاتی ہے۔ رات کو چاند چمکتا ہے، ستارے دمکتے ہیں لیکن صبح ہوتے ہی ان کی چمک دمک ماند پڑ جاتی ہے اور مردہ سورج پھر زندہ ہو جاتا ہے۔ دن گزرنے پر رات کو پھر چاند ستارے چمکنا دمکنا شروع کر دیتے ہیں۔ زندگی اور موت کا یہ ریسر سل روزانہ ہو رہا ہے۔ اس کا مشاہدہ ہم اپنی ذات میں بھی کرتے ہیں۔ شب کو ہم سو جاتے ہیں جس کے دوران ہمیں کسی بات کا ہوش نہیں رہتا لیکن صبح دم بیدار ہو کر دوبارہ زندگی کا ثبوت فراہم کرتے

ہیں۔ شب کو سونا موت کی اور صبح کو جاگنا زندگی کی علامت ہے۔ موت اور زندگی کا یہ ریسر سل جو دنیا میں ادنیٰ پیمانہ پر ہو رہا ہے اپنی اصل شکل میں قیامت کے روز ہو گا۔ یعنی مردے موت کی نیند سے بیدار ہو کر زندہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے :۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَى أَجَلٌ مُسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (انعام : ۵۹)

اور وہی ہے جو تمہیں رات میں وفات دیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا ہے۔ پھر تمہیں اس میں اٹھاتا ہے تاکہ مدت معین پوری ہو جائے۔ پھر اس کی طرف تمہارا لوٹنا ہے۔ پھر وہ تمہیں باخبر کرے گا اس چیز سے جو تم کرتے رہے ہو۔

قرآن مجید نے یہاں ہر شب میں سونے کو وفات سے اور ہر صبح اٹھنے کو بعث سے تعبیر کیا ہے اور توجہ دلائی ہے کہ مرنا اور اٹھنا تو ہر روز ہو رہا ہے۔ جس طرح تمہاری ہر شب کی نیند کے بعد صبح ہوتی ہے اور تم آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھتے ہو اسی طرح موت کی نیند کے بعد قیامت کی صبح آئے گی اور تم ایسا محسوس کرو گے کہ یہ جو کچھ ہوا سب صبح و شام کا قصہ تھا۔

ہمارا روز مرہ کا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ ایک کاریگر کوئی مشین تیار کرتا ہے یا سائنسدان ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون، کار، ہوائی جہاز، اسلحہ اور دوسرے آلات تیار کرتے ہیں تو وہ ان مشینوں کو دوسری تیسری بار بلکہ ہزاروں بار بھی پیدا کر سکتے ہیں اور کرتے رہتے ہیں بلکہ وہ دوسری بار پہلے سے بہتر مشین تیار کرتے ہیں۔ ٹیکسٹائل مل کپڑا تیار کرتی ہے تو صرف ایک بار تیار نہیں کرتی بلکہ اس میں سینکڑوں بار کپڑا بنانے کی استعداد ہوتی ہے۔ کوئی مصور اگر کوئی تصویر بناتا ہے تو وہ اس کو دوسری بار بھی بنا سکتا ہے بلکہ نقش ثانی نقش اول سے بہتر ہوتا ہے۔ اسی طرح جس خدا نے زمین بنائی، اس پر سبزے کا فرش بچھا دیا، درخت بلند کر دیے، فصلیں اگا دیں، پھلوں کے خوشے درختوں سے لٹکا دیے، طرح طرح کے میوے پیدا کر دیے، بیلیں چڑھا دیں، سبزیاں اور ترکاریاں اگا دیں، رنگا رنگ پھول مہکا دیے، ندیاں رواں کر دیں، سمندر موجزن کرا دیے، اس کے اندر ہزاروں قسم کے جاندار پیدا کر دیے، اس میں سے سیپ، مونگے، موتی، لولو اور مرجان نکال دیے، ہوائیں چلا دیں، پانی برسا دیا، زمین پر پہاڑوں کی میخیں ٹھونک دیں۔ لاکھوں اقسام کے حیوانات پیدا کر دیے، خوش رنگ اور خوش گلو پرندے اڑا دیے، زمین پر آسمان

کی چھت تان دی۔ اس میں سورج کو روشن کر دیا جو دنیا کو نہ صرف روشنی مہیا کرتا ہے بلکہ زندگی کی حرارت بھی بخشتا ہے جس سے فصلیں، پھل اور میوے پکتے ہیں۔ آسمان کو چاند اور ستاروں سے مزین کر دیا۔ چاند کی خنک روشنی نہ صرف رات کی تاریکی دور کرتی ہے بلکہ فصلوں اور پھلوں میں رس بھی گھولتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اسے احسن تقویم پر خلق کیا اور دنیا کی ہر چیز اس کی خدمت میں لگا دی۔ ایسی قادر مطلق اور بابرکت ذات کے لیے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیونکر ممکن نہ ہوگا۔

مشکل اگر پیش آسکتی تھی تو پہلی بار پیش آسکتی تھی لیکن جب خدا نے پہلی بار کسی مشکل کے بغیر انسان کو پیدا کر دیا تو دوسری بار تو وہ اس کو نہایت آسانی سے پیدا کرنے پر قادر ہوگا۔ اس حقیقت کی طرف اس آیت میں توجہ دلائی گئی ہے :۔

وَهُوَ الَّذِی یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ (روم : ۲۷)

اور وہی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہے اور پھر اس کا اعادہ کرے گا اور یہ اس کے لیے اس سے بھی زیادہ آسان ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جزا و سزا کا ڈراوا محض ڈراوا نہیں ہے اور یہ مغالطہ بھی غلط ہے کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے۔ یہ خدا ہی ہے جو اس دنیا میں لوگوں کو پیدا کرتا ہے اور جب وہ پیدا کرتا ہے تو وہ اس کا اعادہ بھی کر سکتا ہے۔ جب پہلی بار اس کو مشکل پیش نہ آئی تو دوسری بار کیوں آئے گی۔ مشکل تو اسے پیش آسکتی ہے جس کو کسی کام کے لیے اہتمام اور سرو سامان کرنا پڑے۔ اس کے لیے وقت اور محنت صرف کرنا پڑے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ایسا نہیں ہے بلکہ وہ ہر کام اپنے کلمۂ کن سے چشم زدن میں کر دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا :۔

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ۔ (النحل : ۴۰)

جب ہم کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ہمارا اس یہ کہہ دینا کافی ہوتا ہے کہ ہو جاؤ تو وہ ہو جاتا ہے۔

اپنی اس قدرت کو دوسری جگہ وضاحت سے بیان فرمایا :۔

اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰی وَهُوَ

الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ۔ (یٰسین : ۸۲۔۸۱)

کیا وہ ذات جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر نہیں ہوگی کہ ان کے مثل پیدا کر دے! ہاں وہ اس بات پر قادر ہے۔ وہ بڑا ہی پیدا کرنے والا اور علم والا ہے۔ اس کی قدرت کا حال تو یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جاؤ تو وہ ہو جاتا ہے۔

یہ تمثیل ہمارے سمجھانے کے لیے ہے۔ ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لیے ایک لفظ بولنا بھی اتنا آسان نہیں ہے جتنا اللہ تعالیٰ کے لیے سارے جہان کو پیدا کر دینا ہے۔ ہم ایک لفظ بولنے کے لیے نہ جانے کتنے آلات کے محتاج ہیں جو سب خدا کے بخشے ہوئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کسی چیز کا بھی محتاج نہیں۔

انسان اپنی خلقت پر غور کرے تو معلوم ہوگا کہ وہ پانی کی ایک حقیر بوند سے پیدا ہوتا ہے۔ اس حقیر بوند پر مادر رحم میں تصرفات ہوتے ہیں۔ پہلے گوشت کا ایک لوتھڑا ہوتا ہے پھر اس میں ہڈیاں، نسیں، دماغ بنتا ہے اور اس پر کھال چڑھا کر ایک جیتا جاگتا اور عاقل و فرزانہ انسان بن کر نکلتا ہے۔ مزید براں انسان کی تخلیق کسی ایسے میٹریل سے نہیں ہوئی ہے جو نادر الوجود یا کمیاب ہو کہ اس کی دستیابی دشوار ہو جائے۔ یہ ایک بے قیمت چیز ہے جس کا نہایت وافر ذخیرہ موجود ہے۔ یہ پانی نہ کوئی جوہر نایاب ہے اور نہ یہ کسی ایسی ولایت سے آتا ہے جس تک کسی کی رسائی نہیں بلکہ یہ انسان کی ریڑھ کی ہڈی اور اس کی چھاتیوں کے بیچ سے اچھلتا ہے اور پھر اسی سے ایک معین مدت کے بعد مرد و عورت پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی شکل و صورت مختلف ہوتی ہے۔ ان میں قوتیں اور صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ادنیٰ سے ادنیٰ صلاحیتوں سے لے کر اعلیٰ ترین صلاحیتوں اور قوتوں اور شکل و صورت کے انسان بنا کھڑا کرتا ہے۔ اس قدیر اور حکیم ذات کے لیے مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ پیدا کرنا اور اس کے جوڑ جوڑ اور پور پور کو درست کر دینا کیوں مشکل ہوگا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا :۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَكْفَرَهٗ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ۔ (عبس : ۲۲۔۱۷)

انسان غارت ہو کتنا ناشکرا ہے؟ اس کو خدا نے کس چیز سے پیدا کیا۔ پانی کی ایک بوند سے

اس کو پیدا کیا، پھر اس کے لیے ایک اندازہ ٹھہرایا، پھر اس کے لیے راہ آسان کی، پھر اس کو موت دی اور اس کو قبر میں رکھوایا اور پھر جب چاہے گا اس کو اٹھا کھڑا کرے گا۔

اسی حقیقت کی طرف سورۃ انفطار میں یوں توجہ دلائی :۔

يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِيْ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ (الانفطار : ۶۔۹)

اے انسان، تجھے تیرے رب کریم کے باب میں کس چیز نے مغالطے میں ڈال رکھا ہے، جس نے تیرا خاکہ بنایا، پھر تیرے نوک پلک سنوارے، اور تجھے ٹھیک ٹھاک کیا۔ اور جس شکل پر چاہا تجھے متشکل کر دیا (اس خدا کے باب میں کسی شک کی گنجائش ہرگز نہیں ہے) لیکن تم جزا و سزا کو جھٹلانا چاہتے ہو۔ (اس وجہ سے اس قسم کے شبہات ایجاد کرتے ہو)

یعنی جس خدا نے انسان کو پیدا کرنے میں اپنی قدرت و حکمت کی یہ شانیں دکھائی ہیں وہ اس کے مرکھپ جانے کے بعد اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

قیامت کے متعلق ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ مرنے کے بعد سب انسان گل سڑ جائیں گے اور صرف ہڈیاں رہ جائیں گی اور وہ بھی ریزہ ریزہ ہو کر نہ معلوم کہاں کہاں بکھر جائیں گی۔ یعنی کسی ایک جگہ پر پورا انسانی ڈھانچہ محفوظ نہیں رہے گا۔ ایسی صورت میں بکھری ہوئی اور دوسرے انسانوں کی ہڈیوں میں ملی جلی ہڈیوں میں سے کسی ایک انسان کی اصلی ہڈیوں کو جمع کرنا کس طرح ممکن ہوگا۔ اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ پیدا ہونے سے قبل ان ہڈیوں اور گوشت پوست کا کوئی وجود ہی نہیں تھا لیکن احسن الخالقین نے ان سب کو وجود بخشا اور وہ ہر انسان کے تمام اعضاء و جوارح اور اس کی ہڈیوں کو جانتا اور پہچانتا ہے۔ اس کا علم بڑا وسیع اور ہر شے پر محیط ہے۔ اس کے لیے ہر انسان کی ہڈیوں کو پہچاننا اور ان کے جوڑ جوڑ کو درست کر دینا چنداں مشکل نہیں ہوگا۔

سورۃ قیامہ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے :۔

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ (القیامۃ : ۳۔۴)

کیا انسان نے گمان کر رکھا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر پاویں گے۔ ہاں ہم جمع کرنے

پر قادر ہیں اس طرح کہ اس کے پور پور ٹھیک کر دیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ کوئی حقیر سے حقیر جزو بھی ایسا نہیں ہوگا جس کے جمع کرنے اور جوڑنے سے اللہ تعالیٰ قاصر رہ جائے گا۔

۲۔ کائنات کی تباہی کیسے ممکن ہے :

جزا و سزا کے منکرین کی سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آتی ہے کہ اتنی وسیع کائنات، زمین و آسمان، چاند، سورج، ستارے آخر کس طرح تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ قریش کا یہ اعتراض بھی تھا کہ کبھی پہاڑ جو اتنے مضبوط ہیں وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس ذات نے یہ دنیا بنائی ہے وہ جب چاہے اس کی بساط لپیٹ بھی سکتا ہے۔ اس کائنات کا نظام عدل پر قائم ہے۔ اس میں اگر ذرا سی بھی بے اعتدالی ہو جائے اور کوئی سیارہ اپنے مدار سے ہٹ جائے تو یہ تمام سیارے آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گے۔ اکثر یہ خبریں آتی رہتی ہیں کہ اجرام فلکی میں سے کوئی شے زمین کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اگر وہ زمین سے ٹکرا گئی تو تباہی و بربادی برپا ہو جائے گی۔ لیکن عین وقت پر معلوم ہوتا ہے کہ اس شے نے اپنا رخ بدل لیا اور دنیا تباہی سے بچ گئی۔ قیامت برپا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو صرف ان اجرام فلکی کی باگ ڈھیلی کرنا پڑے گی، پھر کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور ایک عظیم ہلچل پیدا ہو جائے گی۔ سورج، چاند، ستارے سب ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گے، آسمان جگہ جگہ سے پھٹ جائے گا، زمین شق ہو جائے گی۔ چنانچہ ارشاد ہوا :۔

يَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَاءُ مَوْرًا وَّ تَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا . وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ۔ (الطور : ۹۔۱۱)

اس دن کو یاد رکھو جب آسمان ڈانواں ڈول ہو جائے گا اور پہاڑ چلنے لگیں گے۔ پس بدبختی ہے اس دن کو جھٹلانے والوں کی۔

یعنی اس دن آسمان ڈانواں ڈول ہو جائے گا، جو اس دنیا میں نہایت مستحکم اور اپنے مقام پر ٹکا ہوا نظر آتا ہے وہ مضطرب اور متردد ہو کر ادھر ادھر حرکت کرنے لگے گا۔ اسی طرح پہاڑ جو اپنی جگہ گڑے دکھائی دیتے ہیں اکھڑ کر چلنے لگیں گے۔

سورہ تکویر میں قیام قیامت کی جو تصویر قرآن نے کھینچی ہے اس کے مطابق سورج کی بساط لپیٹ دی جائے گی۔ اس کے نتیجہ میں سارا عالم تیرہ و تار ہو جائے گا جو اس کی تابانی سے روشن ہے۔ سورج کے نظام سے وابستہ جتنے بھی قمقمے ہیں وہ سب بے نور ہو جائیں گے۔ پہاڑ بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔ اس دن کی ہلچل لوگوں پر ایسی نفسی نفسی کی حالت طاری کر دے گی کہ کسی کی نظروں میں اس کے محبوب سے محبوب مال کی بھی کوئی وقعت باقی نہیں رہے گی۔ وحشی جانور تک آپس کی فطری دشمنیاں بھول کر اکٹھے ہو جائیں گے۔ سمندروں میں طغیانی آجائے گی اور وہ خشکی پر چڑھ دوڑیں گے۔

اس واقعہ کی ہولناکی کا ذکر کرتے ہوئے سورہ قیامہ میں اس کے کچھ اور پہلو واضح فرمائے ہیں :

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَ خَسَفَ الْقَمَرُ وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ۔ (قیامہ : ۷۔۱۰)

پس جب نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی اور سورج گہنا جائے گا اور سورج اور چاند اکٹھے کر دیے جائیں گے تو اس وقت انسان کہے گا کہ کہاں بھاگوں!

ان آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ چاند بے نور ہو کر سورج کے ساتھ جا ملے گا۔ آج یہ اپنے اپنے مداروں میں گردش کر رہے ہیں لیکن اس دن اللہ تعالیٰ ان کی حد بندیاں توڑ دے گا اور وہ آپس میں ٹکرا جائیں گے۔ اس صورت حال میں نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی اور انسان جائے فرار تلاش کرے گا جو کہیں نہیں ملے گی۔

ظاہر ہے کہ جس خالق و مالک نے یہ دنیا بنائی اور اس کو ایک محکم نظام عطا فرمایا وہ اس پر بھی قادر ہے کہ جب وہ سمجھے کہ اب اس کو برقرار رکھنے کی ضرورت نہیں تو آن واحد میں اس کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے۔ نظام کی تباہی کا چھوٹے پیمانے پر مشاہدہ تو وہ اس دنیا میں کراہی رہا ہے۔ طوفان، گردباد، زلزلے، آتش فشاں جب تباہی لاتے ہیں تو اس میں یہ سبق پوشیدہ ہوتا ہے کہ ہر چیز کائنات کے مالک کے کنٹرول میں ہے۔ وہ جب چاہے اس نظام کو درہم برہم کر کے تمہارے لیے تباہی کا سامان کر سکتا ہے۔ لہٰذا یہ یقین رکھو کہ قیامت واقع ہو گی اور اس کے بارے میں تمہارے شبہات بے بنیاد ہیں۔

(جاری ہے)

اختر حسین عزمی ☆

مولانا امین احسن اصلاحیؒ کا ادبی اسلوب

مولانا امین احسن اصلاحی ایک منفرد خطیب اور صاحب اسلوب ادیب تھے۔ انہوں نے جو کچھ لکھا، نفس مضمون سے قطع نظر، اسلوب بیان کے اعتبار سے بھی شاہکار ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ اردو نثر کے ارتقاء میں ان کا غیر معمولی حصہ ہے۔ "حقیقت شرک" سے لے کر "مبادی تدبر قرآن" تک مولانا کی تمام تحریروں کو پڑھنے والے کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ تحریر کا علمی پہلو زیادہ وقیع ہے یا ادبی پہلو زیادہ پر کشش، اور واقعہ یہ ہے کہ دونوں پہلو اپنی انتہاؤں پر ہیں۔ ان کی تحریر میں وہ تمام اہم خصوصیات موجود ہیں جو کسی بھی لکھنے والے کو ادبی لحاظ سے نمایاں کرتی ہیں۔ کسی بھی اچھے ادیب کی یہ بڑی خوبی ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو پڑھنے والے کے سامنے اس طرح بیان کر سکے کہ پڑھنے والا اسے سمجھ بھی رہا ہو اور اس کی دلچسپی بھی قائم رہے۔ اس لحاظ سے مولانا اصلاحی ایک کامیاب ادیب قرار پاتے ہیں۔

ا۔ سادگی و سلاست :

مولانا اصلاحی نے جس وقت لکھنے کا آغاز کیا اس وقت طبقہ علماء میں بالعموم پر پیچ عبارات لکھنے اور مشکل الفاظ و تراکیب کے استعمال کا رواج تھا، اگرچہ سرسید و حالی کی تحریک کے زیر اثر سادہ نویسی کو بھی فروغ حاصل ہو رہا تھا۔ مولانا اصلاحی کی تحریر اپنی عالمانہ شان کے باوجود بہت ہی سادہ، عام فہم اور سلیس ہے۔ لیکن سادہ ہونے کے باوجود سرسید اور حالی کی تحریر کی طرح بے رنگ اور پھیکی بھی نہیں بلکہ اپنے اندر شگفتگی و دلکشی، رعنائی اور دلآویزی کا پہلو بھی رکھتی ہے۔ ملاحظہ ہو :۔

"ایک داعی حق کے کام کی مثال ایک دہقان کے کام سے دی جا سکتی ہے۔ جس طرح اس کا مقصد صرف اتنی سی بات سے حاصل نہیں ہو سکتا کہ کچھ بیج کسی زمین میں ڈال کر فارغ ہو بیٹھے، اسی طرح ایک داعی حق کا کام بھی صرف اتنے سے انجام نہیں پا سکتا کہ وہ لوگوں کو کچھ وعظ سنا کر سو رہے۔ بلکہ اس کے مقصد کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر اپنی

پھیلائی ہوئی دعوت کے ساتھ وہی لگاؤ ہو جو ایک فرض شناس کسان کو اپنے بوئے ہوئے بیج کے ساتھ ہوتا ہے"[۱]۔

۲۔ حسن بیان :

مولانا اصلاحی کی تحریر ہو یا تقریر، صحت فکر کے ساتھ حسن بیان بھی اس کا ایک مسحور کن خاصہ ہے۔ بقول پروفیسر خورشید احمد :۔

"مجھے ان کی تحریر میں شبلی کی ادبیت، مولانا مودودی کی فکری گہرائی اور سلاست اور ابوالکلام آزاد کی خطابت کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ جہاں وہ ٹھوس دلائل اور محکم تحقیق کے بادشاہ تھے وہیں وہ ایک اعلیٰ انشاء پرداز اور شگفتہ بیان ادیب اور مقرر تھے۔ ان کے اسلوب میں ایک منفرد شوخی اور بانکپن ہے جس میں قرآن اور بائبل دونوں کے ادب کا پرتو نظر آتا ہے"[۲]۔

ایک مثال ملاحظہ ہو :۔

"کراہیت موت کے فتنہ سے حب دنیا کا فتنہ بدرجہا زیادہ سخت و شدید ہے۔ بڑے بڑے ارباب عزیمت جو لوہے کی زنجیروں کو اپنی ایک ہی جنبش میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں، چاندی اور سونے کی زنجیروں کو خود شوق سے زیور کی طرح پہن لیتے ہیں، اور پھر کبھی بھی ان سے آزاد ہونے کا خیال بھی دل میں نہیں لاتے۔ خوف کا بھوت جن لوگوں کو مرعوب کرنے سے عاجز رہتا ہے، ان کو طمع کا شیطان اس آسانی سے پچھاڑ لیتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے ہی سے ہمت ہارے بیٹھے تھے"[۳]۔

۳۔ انشاء پردازی :

مولانا اصلاحی کی مرعوب کن علمی وجاہت کے ساتھ ساتھ ان کی عبارت میں دلکشی، خیال میں رعنائی، فکر میں جدت اور اسلوب میں تحقیقی و تنقیدی سطح پر بھی انشاء پردازی کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ نہ عبارت کو بوجھل ہونے دیتے ہیں نہ خیال کو پیچیدہ بننے دیتے ہیں۔ گویا کہ بے لاگ تنقید اور تحقیق میں بھی تخلیق کا حسن جھلکتا ہے۔ ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

"شیطان کے بھیس ان گنت اور اس کے داؤ بے شمار ہیں۔ انسان کے اندر جتنی ظاہری اور باطنی قوتیں ودیعت ہیں سب کی گھاتیاں اس کو معلوم ہیں۔ وہ ہر دروازے سے گھستا اور ہر راستے سے نکلتا ہے۔ وہ خون بن کر رگوں میں دوڑتا ہے۔ جذبات و شہوات کی صورت میں ہیجان میں آتا ہے۔ حسن بن کر لبھاتا ہے۔ عشق بن کر چٹکیاں لیتا ہے۔ امید و تمنا کے سبز باغ دکھا کر اچھالتا ہے۔ پھر مایوسی کی کمند ڈال کر پچھاڑ دیتا ہے۔ اس کے پاس طرح طرح کے واعظانہ لطیفے اور حکیمانہ نکتے ہیں۔ وہ منطقیوں کی طرح صغریٰ کبریٰ تراشتا ہے۔ فلسفیوں کی طرح سیاست اور فرمانروائی کے نکتے بیان کرتا ہے"[۴]۔

۴۔ منظر نگاری :

کسی واقعہ کی منظر کشی کا مسئلہ ہو یا کسی شخص کے کردار کی تصویر کشی مقصود ہو، مولانا اصلاحی اس عمدگی اور چابک دستی سے الفاظ کے پیرائے میں بیان کرتے ہیں کہ متعلقہ فرد یا واقعہ کی پوری تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے اور قاری خود کو اس واقعہ کا ایک حصہ سمجھنے لگتا ہے۔ ایک اجاڑ بستی کی تصویر ملاحظہ ہو :۔

"چنانچہ اس طرح کسی ڈھئی ہوئی بستی پر اس کا گزر ہو جاتا ہے۔ اس کی منہدم دیواریں، اس کے ٹوٹے ہوئے در، اس کی سربسجود محرابیں، اس کی پراگندہ اینٹیں اور اس کی وحشت و ویرانی کی خاموشی، اس کے سامنے عبرتوں اور بصیرتوں کا ایک دفتر کھول دیتی ہے"[۵]۔

ایک ان گھڑ اور بے حکمت مبلغ کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے :۔

"بعض دینی حلقوں میں خدا جانے یہ خیال کہاں سے پھیل گیا ہے کہ تبلیغ کا معیاری اور پیغمبرانہ طریقہ یہ ہے کہ آدمی ہاتھ میں ایک لٹھیا اور جھولی میں تھوڑے سے چنے لے لے اور تبلیغ کے لیے نکل کھڑا ہو۔ نہ پاؤں میں جوتی ہو نہ سر پر ٹوپی، گاؤں گاؤں پھرے اور جس جگہ کوئی شخص مل جائے، خواہ وہ سنے نہ سنے، اس پر تبلیغ شروع کر دے۔ اگر کسی شہر میں گزر ہو تو وہاں جس گھڑیا چوراہے پر چار آدمی نظر آ جائیں وہیں تقریر کے لیے کھڑا ہو جائے۔ ریل میں، سٹیشن پر، بازار میں، سڑک پر، جس جگہ کوئی بھیڑ مل جائے، وہیں اس کا

وعظ شروع ہو جائے۔ ہر مجلس میں گھس جائے۔ ہر کانفرنس میں اپنی جگہ پیدا کرلے۔ ہر پلیٹ فارم پر جاد ھمکے۔ سننے والے تھک تھک جائیں لیکن وہ سنانے سے نہ تھکے۔ لوگ اس کے تعاقب سے گھبرا جائیں لیکن وہ خدائی فوجدار بنا ہوا ہر ایک کے سر پر مسلط رہے۔ لوگ اس کے سوال وجواب کے ڈر سے چھپتے پھریں بلکہ بسا اوقات آزردہ ہو کر گستاخیاں اور بد تمیزیاں بھی کر بیٹھیں لیکن وہ اسی انہماک وجوش کے ساتھ اپنا کام جاری رکھے۔ جہاں وعظ کی فرمائش کی جائے، وعظ کہہ دے۔ جہاں میلاد کی خواہش کی جائے، میلاد پڑھ دے، اور جہاں مخالفین ومنکرین سے سابقہ پڑ جائے وہاں خم ٹھونک کر میدان مناظرہ میں بھی اتر پڑے"۔۶۔

۵۔ شوخیٔ تحریر:

مولانا کی تحریر وتقریر میں بلا کی شوخی اور حسب ضرورت طنز کی کاٹ پائی جاتی ہے۔ مولانا منظور نعمانی کے "جماعت اسلامی پر الزامات اور ان کا جواب" اور "نئی فرد جرم" اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے "حاکمیت الٰہی یا حاکمیت جمہور" والے مضمون پر تنقید واحتساب صرف علمی مباحث کا مرقع ہی نہیں، ادب وانشاء اور طنز کا بھی اعلیٰ نمونہ ہیں۔ "اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام" میں حکومت اور کلچر کے کارپردازوں اور اپوائی بیگمات کے بیانات پر ان کی تنقید اس نوعیت کے ادب کا شاہکار ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"اگر ہمارے اشتراکی دوستوں کی طرف سے یہ دعویٰ بھی کر دیا جائے کہ عورت باپ بھی بن سکتی ہے تو ہم خاموش ہو جائیں گے۔ اس کی تردید کی کوشش نہیں کریں گے، لیکن ہم یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ مرد ماں بھی بن سکتا ہے کیونکہ ہم عورتوں کی صلاحیتوں سے اچھی طرح واقف نہ سہی لیکن مردوں کے نقائص سے تو بہر حال واقف ہیں"۔۷۔

ایک دوسرے مقام پر مغرب زدہ دانشوروں کی تحقیق پر طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ان لوگوں کی یہ بھی تحقیق ہے کہ اس عہد (قرن اول) کی عورتیں برقعوں اور نقابوں میں لپٹی رہنے کی بجائے اپنے حسن وجمال کے آئینہ میں لوگوں کو اللہ کی

قدرت وصناعی کی نشانیوں کا مشاہدہ کراتی پھرتی تھیں۔ لیکن عباسیوں کے دور آخر میں جب نیتوں میں خیر القرون والی پاکبازی اور نگاہوں میں عہد صحابہ کی سی پارسائی باقی نہ رہی تو محتاط لوگوں کو مجبوراً آیات الٰہی کی نمائش کا یہ کاروبار ختم کرنا پڑا اور اپنی عورتوں کو گھروں میں بند کرنا پڑا"۔۸۔

۶۔ بے ساختگی:

مولانا کے اسلوب تحریر میں بلا کی بے ساختگی اور لہجے کی تروتازگی ہے۔ وہ قاری کے اور اپنے درمیان کے تمام حجابات ہٹا دیتے ہیں۔ وہ اپنی تحریر میں اس طرح بولتے نظر آتے ہیں جیسے کوئی دوست دوستوں کے درمیان بیٹھا گفتگو کر رہا ہو۔ اور اتنے معصوم اور دلچسپ انداز میں حقیقت افروز بات کہہ جاتے ہیں کہ پڑھنے والا لطف لیتا رہ جاتا ہے۔ خدا کے مقابلے میں انسان کو اس کی کم مائیگی کا احساس دلانے کا یہ انداز ملاحظہ ہو:۔

"کوئی مکھی ایک بیل کے سینگ پر جا بیٹھی۔ بیل کو بھلا اس کا کیا احساس ہوتا۔ لیکن مکھی اپنے آپ کو بہت بڑی چیز سمجھ رہی تھی۔ اس وجہ سے اس نے کچھ دیر کے بعد نہایت بزرگانہ انداز میں بیل سے پوچھا کہ اگر تمہاری گردن میرے بوجھ سے ٹوٹی جا رہی ہو تو میں یہاں سے اتر جاؤں۔ بیل نے جواب دیا کہ شوق سے تشریف رکھو۔ مجھے تو اب خبر ہوئی کہ آپ میرے سینگ پر تشریف فرما ہیں۔ اس روایتی مکھی کی طرح بہت سے لوگ اپنے آپ کو بہت بڑی چیز سمجھ بیٹھتے ہیں جس سے ان کی چال میں شان کبریائی پیدا ہو جاتی ہے"۔۹۔

۷۔ ترجمہ نگاری:

مولانا اصلاحی نے بہت سی کتب عربی کا اردو ترجمہ کیا۔ چونکہ وہ عربی ادب اور اردو زبان پر عبور رکھتے تھے اس لیے وہ دونوں زبانوں کے لفظوں اور محاوروں کے مزاج سے بھی خوب آشنا تھے۔ وہ مترادفات میں سے ہر لفظ کے معنوی رویوں کو خوب جانتے تھے اور ضرب الامثال اور کہاوتوں کے برمحل استعمال کے فن سے بھی واقف تھے۔ اس لیے ان کا ترجمہ اصل کے قریب ہوتا ہے۔ اور قاری ترجمہ کی وجہ سے تحریر میں کسی قسم کی زمانی ومکانی اور تمدنی اجنبیت محسوس نہیں کرتا۔ ان کی سب سے پہلی کتاب

ایک عربی ناول "الجاسوس السندی" کا ترجمہ ہے جو نہایت سلیس اور انداز بیان کے لحاظ سے ایک شگفتہ تحریر ہے۔ اس کے بعد عربی تاریخ نگار شیخ محی الدین الخیاط کی دروس التاریخ اور اپنے استاد علامہ حمید الدین فراہی کے کئی عربی رسائل کا اردو ترجمہ کیا۔ "تدبر قرآن" میں قرآن کا ترجمہ جس انداز سے کیا گیا ہے وہ کافی حد تک تشریح کی ضرورت کو بھی پورا کر دیتا ہے۔ عربی مبین پر جس قدر قدرت مولانا کو حاصل تھی بہت کم لوگ اس میں ان کے مدمقابل ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ وہ قرآن کی ایک ایک لسانی رمز کو واضح کرنے کے لیے دور جاہلیت اور بعثت نبویؐ کے بعد کے عربی ادب سے درجنوں مثالیں پیش کر دیتے ہیں۔

۸۔ پر اعتماد لہجہ :

مولانا اصلاحی غیر معمولی، مجتہدانہ اور محققانہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ ایک صاحب بصیرت اور متبحر عالم تھے۔ اگر کسی ایک مسئلہ پر علی وجہ البصیرت پورے شرح صدر سے ایک رائے قائم کر لیتے تو اس کا اظہار پورے وثوق سے اور اعتماد سے کرتے اور اس کی تائید وحمایت میں اپنے دلائل بغیر کسی ذہنی تحفظ کے، قوت استدلال سے پیش کرتے۔ وہ کسی معاملے میں بھی معذرت خواہانہ رویہ اختیار نہ کرتے اور نہ ہی کسی موضوع پر بغیر تحقیق اور خیال کی پختگی کے قلم اٹھانے کے قائل تھے۔ بقول علامہ جاوید غامدی :۔

"وہ پیغمبرانہ اذعان کے ساتھ بولتے اور عہد عتیق کے خطیبوں کی یاد تازہ کر دیتے تھے۔ ان کی زبان پر استدلال بولتا اور ایمان نازل ہوتا تھا۔ ۱۹۴۵ء میں ان کی تقریر کا یہ جملہ اس کیفیت کا آئینہ دار ہے کہ تم چاہو تو میری گردن پر تلوار رکھ دو، لیکن مجھ سے یہ بات کبھی نہ منوا سکو گے کہ تزکیہ نفس جیسا پاکیزہ کام ان جاہلوں کے سپرد کر دوں جو خانقاہوں میں بیٹھے دین فروشی کرتے ہیں"۔ ۱۰۔

۹۔ خطیبانہ آہنگ :

مولانا صرف ایک بلند پایہ مفکر ہی نہیں ایک شعلہ بیان مقرر بھی تھے۔ بقول پروفیسر خورشید احمد :۔

"مولانا اصلاحی کی تقریر اس پہاڑی نالے کی مانند ہوتی تھی جو پوری رفتار کے ساتھ

پتھروں کو اپنے جلو میں بہاتے ہوئے اپنا سفر طے کر رہا ہو اور جس میں روانی کے ساتھ تلاطم اور آبشاروں کا ترنم بھی موجود ہو"۔ ۱۱۔

مولانا کی تحریروں میں بھی ایک خطیب کی طرح جذبے کا تلاطم اور حسن بیان کا وہ رنگ ہے کہ قاری جذبات کی رو میں بہتا چلا جاتا ہے۔ خشک اور علمی و تحقیقی استدلال کو بھی خطیبانہ آہنگ میں ڈھال کر جذبے کی توانائی کا سامان کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو :۔

"ظاہر ہے کہ دنیا اپنی بقا کے لیے ان تمام رنگارنگ حسن آرائیوں کی محتاج نہ تھی۔ ممکن ہے کہ یہ زمین ہوتی لیکن اس میں یہ باغ و چمن، یہ نشیب و فراز، یہ وادی و کہسار نہ ہوتے۔ ممکن تھا کہ یہ فضا ہوتی لیکن اس میں نسیم صبح کے جھونکے اور چڑیوں کے چہچہے نہ ہوتے۔ ممکن تھا کہ یہ آسمان ہوتا مگر ستاروں کی بزم آرائیاں، شفق کی جلوہ کاریاں اور قوس قزح کی رنگینیاں نہ ہوتیں"۔ ۱۲۔

۱۰۔ دردمندی و دل سوزی :

مولانا اصلاحی ایک سچے اور کھرے انسان، قوم کے دردمند مصلح اور مخلص داعی تھے۔ امت اسلامیہ اور انسانیت جس طرح دین سے دوری کی وجہ سے اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہی تھی اس صورت حال پر وہ بے چین و مضطرب ہی نہیں عملی طور پر متحرک بھی تھے۔ اس طرح وہ

خود تڑپنا ہی نہیں اوروں کو تڑپانا بھی ہے

کے مقام پر کھڑے تھے۔ لہٰذا درد کی یہ کسک ان کی تحریروں میں جابجا محسوس ہوتی ہے۔ ایک سچے داعی اور مصلح کی جھلک ملاحظہ ہو :

"وہ چیخ چیخ کر پکارے اور لپٹ لپٹ کر سمجھائے اور نوع انسانی کی بیماریاں اس کو اس درجہ بے قرار کر دیں کہ وہ خلوت کے سجدوں میں اس کی نجات کے لیے پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ راتیں بستر کی لذتوں سے محروم ہو جائیں اور اس کے دن فراغت کی گھڑیوں سے بے نصیب ہو جائیں، وہ مخلوق خدا کی گردن میں اتنے بے شمار ارباب و آلہہ کی غلامی کا وہ جھل طوق دیکھ کر اور درد سے بھر جائے اور ہر سننے والے کان اور ہر دیکھنے والی آنکھ تک اللہ کی وہ

دعوت قولاً اور عملاً پہنچادے جوان تمام مسائل کا واحد علاج ہے"۔ ۱۳ے

امت کے اجتماعی بگاڑ سے غافل صوفیوں پر تنقید کرتے ہوئے ان کی دلسوزی کے ساتھ ساتھ غیرت ایمانی بھی لفظ لفظ سے جھلکتی دکھائی دیتی ہے :۔

"وہ لوگ جو بگاڑ کی اصلاح کر سکتے ہیں، اپنے انفرادی تزکیہ میں لگے رہتے ہیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ہر طرح کے فسق و فجور کے ہنگامے برپا ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے مسند و سجادہ کے حدود سے باہر جھانک کر بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتے کہ کیا ہو رہا ہے۔ اللہ کی شریعت کی ہر جگہ علانیہ بے حرمتی ہوتی ہے لیکن یہ اپنے حال میں مست پڑے رہتے ہیں۔ ان کی پیشانی پر غیرت کی ایک لہر بھی نہیں اٹھتی۔ جب معاملہ اس حد کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے معاشرہ پر اپنا غضب نازل فرماتا ہے۔ اور پھر اس وقت جس طرح اصلی مجرمین پر خدا کا غضب بھڑکتا ہے اس طرح بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی ان اتقیاء و زہاد پر یہ غضب بھڑکتا ہے جن کی ناک کے نیچے یہ سارا فساد پرورش پاتا رہا اور وہ گونگے بہرے بنے ہوئے اس کا تماشا دیکھتے رہے"۔ ۱۴ے

مولانا اصلاحی محض ایک مذہبی محقق اور اسلامی مفکر ہی نہیں ایک منفرد صاحب طرز ادیب بھی تھے۔ خیالات و افکار کی ندرت، تحقیقی مواد کی ترتیب و پیشکش میں جدت اور اپنے ادبی اسلوب کی انفرادیت کی وجہ سے انہیں اردو ادب میں روایت شکن و روایت ساز ادیب کہا جاسکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اردو زبان و ادب کی تاریخ میں ان کی تحریروں کو ایک عظیم ادبی سرمایہ کی حیثیت حاصل ہو گی۔

حوالہ جات

۱۔ دعوت دین اور اس کا طریق کار، ص ۱۵۲
۲۔ پروفیسر خورشید احمد، "مولانا امین احسن اصلاحی کی یاد میں" ماہنامہ ترجمان القرآن، اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۵۳
۳۔ دعوت دین اور اس کا طریق کار، ص ۲۲۱
۴۔ مبادی تدبر قرآن، ص ۹۵
۵۔ ایضاً، ص ۳۹
۶۔ دعوت دین اور اس کا طریق کار، ص ۸۵، ۸۶
۷۔ اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام، ص ۱۸۷
۸۔ ایضاً، ص ۷۶، ۷۷
۹۔ تزکیہ نفس، جلد دوم، ص ۹۱
۱۰۔ "روایتوں کی حقیقت" ماہنامہ اشراق، لاہور۔ اصلاحی نمبر فروری ۱۹۹۸، ص ۲۳
۱۱۔ "مولانا امین احسن اصلاحی کی یاد میں" ماہنامہ ترجمان القرآن، اپریل ۱۹۹۸، ص ۵۳
۱۲۔ حقیقت شرک و توحید، ص ۲۱۲، ۲۱۳
۱۳۔ ایضاً، ص ۱۴۷، ۱۴۸
۱۴۔ تزکیہ نفس، جلد اول، ص ۱۸۲

☆ جناب اختر حسین عزمی گورنمنٹ ڈگری کالج چونکی میں لیکچرر ہیں۔

مولانا اصلاحیؒ کی تحریر کے ادبی محاسن

میں آج کل تفسیر تدبر قرآن کے حصار میں ہوں! جب اپنی ہیچمدانی اور ابجد خوانی پر نظر ڈالتا ہوں تو بے اختیار اپنے باب میں "یہ منہ اور مسور کی دال" والی کہاوت، بے ساختہ زبان پر آجاتی ہے۔ پھر جب اپنے سے نظر ہٹا کر خالق ارض و سما کے بے حد و حساب احسانات کا احساس کرتا ہوں تو تمام حمد و تشکر کے الفاظ درماندہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔

نمی گر دید کوتہ رشتۂ معنی رہا کردم
حکایت بود بے پایاں بہ خاموشی ادا کردم

جیمز فریزر کی شہرہ آفاق کتاب 'گولڈن بو' (Golden Bough) کے لائق مترجم نے دفتر سے نکلتے ہوئے سید سلیمان ندوی کے حق میں کہا کہ یہ شخص اپنے ہم وطنوں کی بلا مبالغہ مغفرت کا کتنا بڑا سامان کر گیا ہے۔ ان کا اشارہ سید صاحب کی سیرۃ النبی کی تکمیل کی طرف تھا۔

میں بھی بلا خوف لومۃ لائم یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ اصلاحی صاحب بلا شبہ نہ صرف اصلاحیوں، بلکہ تمام نوع انسان کی فلاح کا سامان کر گئے ہیں۔ اب یہ ہمارا سب کا کام ہے کہ ہم اس کو روئے زمین کی قوموں تک ان کی زبانوں میں ترجمہ کر کے، پہنچا کر اس ذمہ داری سے سبک دوش ہوں۔ یہ ایک اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کی تقسیم سے نعمت میں بلکہ دارین کی دولت میں اضافہ ہی اضافہ ہو گا۔ جناب محب عارفی صاحب نے اپنے بڑے بھائی کے انتقال پر لکھا تھا۔

وہ گیا گھر سے، مگر گھر سے گیا کچھ بھی نہیں
گھر میں ہر چند کہ تھا اس کے سوا کچھ بھی نہیں

مجھے تدبر قرآن پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوا کہ مولانا نے علم و فضل کے نہ صرف دریا بہائے ہیں، بلکہ نئے سمندر تلاش کیے ہیں۔ بعد از تلاش سمندروں کو بہا دیتا ہے۔

ہوا کیا جو گریزاں ہیں چند پیمانے
نگاہ یار سلامت ہزار میخانے

مجھے تدبر قرآن سے بہ اول وہلہ یہ یقین ہو گیا کہ یہ شخص بیک وقت کتنی زبانوں پر عبور رکھتا ہے۔ عربی، فارسی، اردو، ہندی، سنسکرت وغیرہا۔ ہر زبان اور اس کے الفاظ پر حیرت ناک حد تک بہ تمام و کمال قدرت رکھتا ہے۔ الفاظ کا بر محل استعمال تو کوئی ان سے سیکھے!

تقابل ادیان کے بارے میں مولانا عبد الماجد دریابادی کو منہا کر لو، تو جاہلوں کے جم غفیر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اصلاحی صاحب کے ذخیرۂ الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یقیناً مد مقابل ملنا محال ہے۔ کام کے الفاظ نگینے کی طرح جڑے ہیں۔ مفردات قرآن، ان کا استعمال، مترادفات کا انتخاب، متجانس کا بر محل کھپانا ایک معجزے سے کم نہیں۔ جس کو پر کشش تحریریں جریدہ عالم پر ثبت کرنی ہوں وہ ان کی تحریروں کو حرز جان بنائے۔ میں عربی کے ساتھ ساتھ اردو پر بھی ڈیرے ڈالتا ہوں۔ ترجمے میں ان کے سحر طراز قلم نے جو جادو جگائے ہیں، ان کا جواب نہیں۔ فارسی اشعار، مصرعے، ہو بہو بولتے چمن کھلائے ہیں۔ مفردات کے بدل اپنی مثال آپ ہیں۔ یقیناً شاہ عبد القادر کی روح عش عش کر اٹھی ہو گی، ملنے کی خواستگار ہوئی ہو گی۔ مولانا اخلاق حسین قاسمی نے ہمیں اعتراز عطا کیا ہے کہ دراصل اصلاحی صاحب پر اس انداز سے ان کی خوبیوں (تحریری بالخصوص) پر بہترین کام آنا چاہیے، اور وہ کتاب کئی مجلدات پر شامل ہو، تاکہ موجودہ قلم کار دائمی قدر و قیمت کی تحریریں یادگار چھوڑیں۔

بحرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از ذوق حضوری طول دادم داستانے را

نوٹ: میرے خط کا محرک محبوب سبحانی کی مولانا پر حالیہ تحریر مطبوعہ 'تدبر' بھی ہوئی ہے۔

عبد الرحیم کراچی

تبصرہ کتب

ادارہ

دجال (جلد اول)

مصنف : اسرار عالم

صفحات : ۴۸۰ قیمت : ۱۴۰ روپے

ملنے کا پتہ : دانش بک ڈسٹری بیوٹرز، نیو کوہ نور ہوٹل، پٹوڈی ہاؤس، دریا گنج نئی دہلی

فاضل مصنف یہودیوں کی قدیم و جدید تاریخ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ یہودیت نے بنی آدم کو جس طرح اپنے دام تزویر میں لا کر ظلم و زیادتی کا نشانہ بنایا ہے اس کی وضاحت کے لیے وہ متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں جو ان کی دقت نظر اور ژرف نگاہی کی داد اہل علم سے وصول کر چکی ہیں۔ زمانہ حال میں یہودیوں کی منصوبہ بندی اور روز بدلتی ہوئی ان کی چالوں کا وہ برابر مطالعہ کرتے رہتے اور امت مسلمہ کو درپیش خطرات سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ دجال (جلد اول) بھی اسی سلسلہ کی کتاب ہے۔ اس کے باب اول میں انہوں نے عالمی سطح پر بعض حالیہ تبدیلیوں اور بعض زعماء کے پالیسی بیانات پر اس تشویش کا اظہار کیا ہے کہ برصغیر کو عنقریب کسی زبردست جنگ میں نہ جھونکا جا رہا ہو۔ نیز مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ کو ڈھانے کی کارروائی کی راہ ہموار کرنا مقصود نہ ہو۔

باب دوم میں انہوں نے یہودیت اور عیسائیت میں دجال کے عقیدہ پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر 'حقیقت دجال' کے عنوان سے ایک طویل تحریر سپرد قلم کی ہے جس میں وہ کائنات میں خیر و شر کا ایک فلسفہ پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن اس بحث میں آخر تک حقیقت دجال سے آگاہ نہیں کر سکے۔ بات دوسری اطراف میں نکل گئی ہے جس کو پڑھ پڑھ کے قاری تھک جاتا ہے۔ اصل موضوع اس بحث میں گم ہو گیا ہے۔ فاضل مصنف نہایت کمزور بنیادوں پر اپنا فلسفہ تعمیر کرتے ہیں جس میں دور از کار تصورات و تاویلات کا سہارا لیتے ہیں۔ بحث کا بڑا حصہ محض قیاس پر مبنی ہے کیونکہ فلسفہ بنانا آسان کام نہیں ہوتا۔ ہمارے نزدیک اس بحث میں الجھ کر فاضل مصنف نے اپنے نقطہ نظر کی کوئی خدمت نہیں کی۔ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی توجہ یہودیت و عیسائیت کی سازشوں ہی پر مرکوز رکھیں اور امت مسلمہ کو ان سے

عہدہ برآ ہونے کی راہیں بتانے پر ہی اپنی قوت صرف کریں۔

تزکیہ نفس

مرتبین : خلیل الرحمٰن چشتی، محمد خان منہاس

صفحات : ۱۵۲ قیمت : ۵۰ روپے

ملنے کا پتہ : الفوز اکیڈمی 317، سٹریٹ 16، F-10/2۔ اسلام آباد

الفوز اکیڈمی کا قیام کتاب و سنت کی اساسی تعلیمات کو جدید طریقہ ہائے تدریس کے ذریعے تعلیم یافتہ افراد تک پہنچانے کے لیے عمل میں آیا ہے۔ زیر تبصرہ کتابچہ سلسلہ تعلیمات کا ستائیسواں شمارہ ہے۔ الفوز اکیڈمی کی شائع کردہ کتابوں میں موضوع کو پیش کرنے کا یہ انداز اختیار کیا گیا ہے کہ اس سے متعلق قرآن مجید کی آیات جمع کر لی جاتی ہیں۔ ہر آیت کا حکم جلی الفاظ میں لکھ کر نیچے آیت اور اس کا ترجمہ دے دیا جاتا ہے۔ بہت کم اس پر کہیں وضاحتی کلمات بھی دیے گئے ہیں۔ پھر اسی موضوع سے متعلق احادیث بھی اسی پیرایہ میں نقل کی جاتی ہیں تاکہ قاری مفاہیم تک رسائی کے لیے خود اپنے ذہن کو بھی استعمال کرے۔ تمام آیات و احادیث کا مکمل حوالہ درج کیا جاتا ہے۔

زیر نظر کتابچہ میں تزکیہ نفس کے مفہوم اور ماہیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور وہ تدبیریں بتائی گئی ہیں جو نفس کی اصلاح کے لیے قرآن و سنت میں بیان ہوئی ہیں۔ علم تزکیہ کی ہمہ گیری کا ذکر کرتے ہوئے تزکیہ کے دو بڑے حصے کیے گئے ہیں۔ ایک فرد کا تزکیہ اور دوسرا قوم کا تزکیہ۔ لیکن زیر نظر کتاب صرف فرد کے تزکیہ کی تدبیریں بتاتی ہے۔ قوم کی اصلاح و تزکیہ کا معاملہ یا تو نظر انداز ہو گیا ہے یا شاید وہ کسی اگلے کتابچہ کا موضوع بنے گا۔ کتاب عام فہم اور عوام الناس کے لیے مفید ہے۔

(۱) دو روشن ستارے
(۲) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

تالیف : عبدالرشید عراقی

شائع کردہ : نور اسلام اکیڈمی، پوسٹ بکس نمبر ۵۱۲۶، ماڈل ٹاؤن لاہور

پہلی کتاب مجدد الف ثانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور دوسری کتاب شاہ ولی اللہ اور ان

کے نامور خانوادے سے متعلق ہے۔ دونوں کتابوں میں فاضل مصنف نے اسلام کے ان عظیم فرزندوں کے مختصر سوانح حیات کے علاوہ ان کی علمی، دینی اور روحانی خدمات اور ان کے تجدیدی اور اصلاحی کارناموں پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ گیارھویں اور بارھویں صدی ہجری میں ہندوستان کے مسلمان یونانی فلسفے کے گورکھ دھندوں اور فقہی موشگافیوں میں الجھ کر دین سے بے گانہ ہو کر مختلف گمراہیوں میں مبتلا ہو چکے تھے۔ ان حالات میں ان عظیم مصلحین ملت نے بڑی جرأت و ہمت سے گمراہیوں کا عقلی اور نقلی بنیادوں پر ابطال کیا اور بدعات کی اصلاح کے لیے زور قلم صرف کیا۔ انہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور علم حدیث کو متعارف کرایا۔ انہوں نے مسلمانوں کو قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی اور بتایا کہ دین کے نام سے مشہور ہربات کو اس کسوٹی پر پرکھ کر دیکھا جائے۔ فاضل مصنف نے ان بزرگوں کے متعلق اپنی رائے کو ممتاز علمائے کرام کی رائے سے مؤکد کیا ہے لیکن تائید کی اتنی کثرت ہے کہ مصنف کی اپنی رائے دب کر رہ گئی ہے۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ کی لاجواب کتاب تقویۃ الایمان پر اعتراضات اور پھر ان کے جوابات بھی درج کیے گئے ہیں جس کی اس مختصر کتاب میں گنجائش کم ہی نظر آتی ہے۔ جو لوگ ان بزرگوں کے متعلق ابتدائی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے یہ کتاب مفید ہے۔ اس میں حوالے اور اقتباسات بکثرت دیے گئے ہیں جو ان شخصیات پر کام کرنے والوں کے لیے سود مند ہوں گے۔

پیپربیک کی سوا سو صفحات کی ضخامت کی ان کتابوں کی قیمت ۴۸، ۴۸ روپے ہے۔

مشکوٰۃ المصابیح (شہدائے جمعیت نمبر)

ملنے کا پتہ: ا۔ اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور

مشکوٰۃ المصابیح جمعیت طلبہ عربیہ پاکستان کا ترجمان ماہنامہ ہے۔ ماہ جون ۲۰۰۰ء میں اس کا خاص نمبر شائع ہوا جس میں تحریک جہاد کشمیر میں جمعیت کے کردار پر روشنی ڈالی گئی اور بطور خاص ان نوجوانوں کے کارناموں کا تذکرہ کیا گیا جنہوں نے اس جہاد میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ اس کے علاوہ عالمی جہادی تحریکوں کا تعارف بھی اس رسالہ میں شامل ہے۔ تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل اس رسالہ کی قیمت ۲۵ روپے ہے۔

تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ

	روپے پیسے
1۔ مجموعہ تفاسیر فراہی	328 - 00
2۔ حکمت قرآن	84 - 00

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحیؒ

1۔ تدبر قرآن کامل۔ (9 جلد)	2,952 - 00
(فی جلد):	328 - 00
2۔ مبادی تدبر قرآن	105 - 00
3۔ مبادی تدبر حدیث	90 - 00
4۔ حقیقت شرک و توحید	144 - 00
5۔ حقیقت نماز	54 - 00
6۔ حقیقت تقویٰ	54 - 00
7۔ تزکیہ نفس: جلد دوم	105 - 00
8۔ دعوت دین اور اس کا طریق کار	105 - 00
9۔ اسلامی قانون کی تدوین	78 - 00
10۔ اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	78 - 00
11۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	105 - 00
12۔ قرآن میں پردے کے احکام	12 - 00
13۔ فلسفے کے بنیادی مسائل۔ قرآن حکیم کی روشنی میں	120 - 00
14۔ تفہیم دین	90 - 00
15۔ مقالات اصلاحی: جلد اول	165 - 00

فاران فاؤنڈیشن

122 ۔ فیروز پور روڈ' اچھرہ' لاہور۔ 54600۔ پاکستان

فون = 7595200